عملیات کی عصری صورتیں
شرعی تناظر میں

جس میں عملیات کی رائج صورتیں، اُن کے اہداف ومقاصد، جھاڑ پھونک، استخارہ، مستقبل بینی اور اس کی مختلف شکلیں، تبرک کا حکم اور متعلقہ مسائل، علم نجوم، رمل، سحر وغیرہ سے استفادہ کرنے اور ان سے متعلقہ مسائل پر شرعی اور فقہی تناظر میں سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔

تالیف
مفتی عُبَیدالرحمن حفظہ اللہ
مردان

ناشر
مکتبہ دارالتقوی مردان
030-093-26101,031-430-17364

معاصر عملیات

اور ان سے وابستہ شرعی احکام

تالیف

مفتی عبید الرحمان صاحب عفا اللہ عنہ

مکتبۃ المثنی، مردان

فہرست مضامین

صدائے مولف 7

باب اول: 9

فصل اول: بنیادی شرعی ضوابط: 9

پہلا ضابطہ: 9

دوسرا ضابطہ: 11

تیسرا ضابطہ 12

چوتھا ضابطہ 12

پانچواں ضابطہ 13

عملیات کا فقہی تجزیہ 15

باب دوم 16

فصلِ اول 16

عامل سے متعلق کچھ شرائط واحکام 16

دوسری بات: مسلمان ہونا 17

عملیات بطور پیشہ اختیار کرنا 18

فصلِ دوم: مقاصد عملیات: 20

مختلف امراض وتکالیف کا علاج 20

محبت یا عداوت ڈالنا 21

تسخیر خلائق 22

مستقبل بینی 23
مستقبل بینی کی اہمیت اور مختلف صورتیں 23
مستقبل بینی کی مختلف صورتوں کے احکام 25
قول فیصل 28
فقہاء کرام کی تصریحات 30
مستقبل کے متعلق پیشن گوئی کرنا 33
عملیات کے سہارے مجرم کی شناخت کرنا 39
حصول دنیا کے لئے عملیات کرنا 40
باب سوم: 42
وسائلِ عملیات 42
تعویذ :تعارف ،حکم 42
تعویذ کے جائز ہونے کے دلائل 43
دم وتعویذ کو بالکل بےفائدہ خیال کرنا 44
خبرصادق اور تعویذ کی افادیت 45
عقل سلیم اور تعویذ کی افادیت 48
تعویذ کے جائز ہونے کی چارضروری شرائط 48
مزید تین ضروری شرائط 52
دم وتعویذ کے سلسلے میں کچھ رائج کوتاہیاں 53
تعویذ کی مختلف صورتیں اوران کے احکام 55
تعویذ کی ممانعت سے متعلق نصوص 56
روایات سے استدلال کی غلطی 58

مذمت والی روایات کا محمل 63
جواز تعویذ کا منصوص ضابطہ 64
جمہور اہل علم کی تصریحات 67
حروف مقطعات اور ابجد والے تعویذ کا حکم 71
حرز ابی دجانہ کا حکم 72
کلائی یا گلے میں ڈور لٹکانا 72
معاوضہ پر تعویذ لکھنا 73
ستاروں کے خاص گردش کا انتظار کرنا 73
خون وغیرہ ناپاک چیز پر تعویذ لکھنا 74
دم و تعویذ کی اجازت دینے پر معاوضہ لینا 76
تعویذ میں تسمیہ کی بجائے ۷۸۶ لکھنا 76
مسنون کلمات پانی میں حل کر کے پلانا 77
مختلف قسم کے ختموں کا حکم 77
علم نجوم اور اس سے وابستہ شرعی مسائل 79
علم نجوم سے استفادہ کرنے کا حکم 80
علم نجوم سیکھنے کا حکم 82
نجومیوں کے پاس جانے کا حکم 82
علم الاعداد کے مطابق نام رکھنا 82
اعداد سے قسمت معلوم کرنا 83
سحر: لغوی واصطلاحی تعارف 83
سحر کی تاریخ 88
سحر کرنے کا شرعی حکم 89

سحر میں گناہ کے عناصر........................ 91
جادو کی حقیقت ہے یانہیں؟جمہور کاموقف 92
معتزلہ کاموقف اوران کے دلائل 92
ان دلائل کاعلمی جائزہ........................ 94
علاجِ سحر کے لئے سحر کرنا........................ 96
سحر سیکھنے کا حکم 97
کیا سحر کفر ہے؟........................ 99
کیا شعبدہ بازی سحر ہے........................ 102
شعبدہ بازی کا تفصیلی حکم 106
جنات سے تعلقات 107
جنات کو حاضر کرنا 107
جنات سے کام لینا........................ 108
جنات سے مالی تعاون حاصل کرنا........................ 109
جنات کو مارنا/جلانا 110
مرض معلوم کرنے کے مختلف طریقے 113
کہانت : مفہوم ،حکم اور قدیم وجدید صورتیں........................ 114
کہانت کا تعارف........................ 115
کہانت اورعرافہ میں فرق........................ 116
کہانت کی ممانعت کی اصل واساس........................ 117
کہانت کی چند رائج صورتیں........................ 118
جنات کے سہارے علاج وآپریشن کرنا........................ 119
علم رمل: تعارف ومقصود 122

علم رمل سے استفادہ کرنے کا شرعی حکم 123
ارواح اوران کی حاضری سے متعلق چند مسائل 125
مرنے کے بعد روح کہاں ہوتی ہے؟ 126
نظر بد سے متعلق مسائل 127
نظربداتارنے کامسنون طریقہ... 131
نظربد سے بچنے کے لیے کچھ لٹکانا..................................... 133
نظربد کی وجہ سے دیت یاضمان کاحکم.................................. 134
نیک فالی اور بد فالی: متعلقہ مسائل 135
استخارہ کا مفہوم 136
استخارہ کے عمل میں پیوند کاری 137
دوسرے سے استخارہ کروانااوراس پراجرت لینا 139
تبرک :مفہوم ،حقیقت، شرعی حکم اور متعلقہ مسائل........................ 140
تبرک جائز وثابت ہے... 140
جمہور اہل علم کا موقف.. 140
تبرک سے متعلق کچھ روایات اور محدثین کے اقوال........................ 141
انکار تبرک کی دوبنیادیں 150
ان بنیادی دلائل کا جائزہ 150
تبرک باعثِ نجات نہیں 151
تبرک کے جائز ہونے کی ضروری شرط 152
مصادر ومراجع 154

صدائے مولف

سلفِ صالحین کے ہاں عملیات کا کوئی مستقل شعبہ رائج نہیں تھا، ضرورت کے مطابق دم کرنا یا تعویذ کرنا تو بالکل نامانوس نہیں تھا لیکن اس کو مستقل حیثیت حاصل نہ تھی، ماضی قریب تک یہی صورت حال برقرار رہی، پھر مختلف عناصر کی وجہ سے اس کام نے مستقل پیشہ کی حیثیت اختیار کی ہے، اس لئے اس سے متعلقہ احکام جاننے کی بھی ضرورت محسوس کی جانے لگی۔

عملیات سے متعلق یہ چند اوراق آپ کے ہاتھوں میں ہیں۔ یہ اس فکر کے نتیجے میں تیار ہوئے ہیں کہ دین اسلام سے متعلق تمام شعبوں میں دین کے احکام وتعلیمات زندہ ہو جائیں۔

تحریر تیار ہو جانے کے بعد نظر ثانی کے لئے حضرت مولانا محسن کمال صاحب زید مجدہم کی خدمات حاصل کی گئیں ، وہ ایک با استعداد اور جید عالم دین بھی ہے اور ساتھ نیک صالح عامل بھی۔ اس کے بعد اپنے دوست مولانا محمد افضال صاحب زید مجدہ اور عزیزم مولانا عادل رضا صاحب زید مجدہ نے بھی نظر ثانی فرمائی ۔ ان حضرات کے نظر ثانی کے نتیجے میں متعدد اصلاحات سامنے آگئیں جن پر ان حضرات کا دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ ان کو دونوں جہانوں کی سعادت سے بہرہ ور فرمائیں۔

تحریر کی تیاری سے پہلے جب پہلے پہل اس موضوع پر کام کرنے کا داعیہ پیدا ہوا تھا، اس وقت سے لے کر آج تک اپنی کمزور جستجو کی حد تک کافی تلاش کیا کہ اس

موضوع پر اگر کوئی ایسا جامع علمی کام ہوا ہو جس میں اس میدان سے وابستہ فقہی مسائل کو حل کیا گیا ہو، لیکن ہنوز ایسی کوئی کتاب نظر سے نہیں گزری۔

اس موضوع پر چند رسالے سامنے آئے لیکن ان میں زیادہ تر تعویذ کے جائز ہونے یا نہ ہونے پر ہی گفتگو فرمائی گئی ہے، حضرت مولانا مفتی محمد زید ندوی صاحب نے "عملیات و تعویذات اوراس کے شرعی احکام" کے نام سے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ کے کچھ افادات جمع فرمائے ہیں جو ہند و پاک کے متعدد کتب خانوں سے شائع ہوا ہے، یہ دو سو صفحات پر مشتمل ہے لیکن چونکہ مستقل کتاب نہیں ہے ، اس لئے اس سے موضوع کی ضرورت پوری نہیں ہوتی۔اس لئے جب کوئی ایسی جامع کتاب سامنے نہیں آئی تو خود ہی لکھنا شروع کیا۔

چونکہ یہ خالص فقہی نوعیت کا کام ہے جو گہرے غور و فکر کا متقاضی ہے اور ایک سے زیادہ پہلوؤں کا حامل ہے، اس لئے اگر اس تحریر میں کسی قسم کا کوئی سقم سامنے آئے تو براہ کرم مطلع فرمائیں۔

ناکارہ عبید الرحمان، مردان

۲۶ محرم الحرام ۴۴ھ

☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب اول:

فصل اول: بنیادی شرعی ضوابط:

پہلا ضابطہ:

کسی چیز کا فائدہ مند ہونا یا باعث صحت وشفاء ہونا اس کے جائز ہونے کی دلیل نہیں ہے بلکہ کسی چیز کے جائز یا ناجائز ہونے کا فیصلہ شرعی دلائل ہی کی روشنی میں کیا جاسکتا ہے۔ عملیات سے متعلقہ مختلف شعبوں مثلاً دم، تعویذ، جھاڑ پھونک، نقوش لکھنا، منتر پڑھنا اور ان جیسی بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو بعض اوقات فائدہ مند ثابت ہو جاتی ہیں اور جن مقاصد کے لئے ان چیزوں کو کام میں لایا جاتا ہے وہ مقصود بھی بسا اوقات پورا ہو جاتا ہے، اسی طرح نیک فالی اور بدفالی کی متعدد شکلیں بھی کبھی کبھی واقع کے بالکل مطابق ثابت ہوتی ہیں، ستاروں اور ان کے حرکات وسکنات کے ماہرین کی بعض پیش گوئیاں بھی سچی دکھائی دیتی ہیں۔

ان جیسے واقعات سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ یہ امور شرعاً مباح بھی ہیں کیونکہ اگر مباح نہ ہوتے تو ان کا اثر ظاہر نہ ہوتا۔ یہ بالکل غلط ہے، یہ شریعت ہی کا منصب اور اسی کا حق ہے کہ کسی چیز کو جائز یا ناجائز ٹھہرائے اور اس کا فیصلہ شرعی دلائل ہی سے ہو سکتا ہے۔ کسی چیز کا جزوی لحاظ سے نتیجہ خیز، فائدہ مند یا باعث صحت وشفاء ہونے سے یہ کسی طرح لازم نہیں آتا کہ وہ ضرور جائز بھی ہو۔ چنانچہ شراب میں بھی

متعدد فوائد ہیں اور قرآن کریم میں اس کو ذکر بھی کیا گیا ہے لیکن اس کے باوجود اس کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

"سنن ابی داؤد "اور" مسند احمد" وغیرہ کتب حدیث میں حضرت ابن مسعور رضی اللہ عنہ کی ایک ایسی صحیح حدیث نقل کی گئی ہے جس سے یہ بات بالکل بے غبار ہو جاتی ہے، چنانچہ "سنن ابی داؤد" میں ہے:

"عن عبد الله قال: سمعتُ رسولَ الله -صلَّى الله عليه وسلم- يقولُ: "إنَّ الرُّقَى والتَمائِمَ والتِّوَلَةَ شِرْكٌ" قالت: قلتُ: لِمَ تقولُ هذا؟ واللهِ لقد كانت عَيني تَقْذِفُ وكنتُ أختلِفُ إلى فُلانٍ اليهوديِّ يَرْقِيني، فإذا رقَانِي سَكَنَتْ، فقال عبدُ الله: إنما ذاكَ عملُ الشَّيطانِ كان يَنْخَسُها بيدِه، فإذا رقَاها كَفَّ عنها، إنما كانَ يَكْفيكِ أن تقولي كما كان رسولُ الله - صلَّى الله عليه وسلم - يقولُ: "أذْهِبِ البأس ربَّ النَّاسِ، اشْفِ أنت الشَّافي، لا شِفَاءَ إلا شِفاؤُك، شفاءً لا يُغادِرُ سَقَماً".[1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے فرماتے ہوئے سنا: بیشک دم، تعویذ کرنا اور تولہ شرک ہے، آپ کی بیوی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے عرض کیا تم یہ کیوں کہتے ہو؟ اللہ کی قسم میری آنکھ دکھتی تھی، تو میں فلاں یہودی کی پاس جاتی اور وہ مجھ پر دم کرتا جب وہ دم کر لیتا تو میری آنکھ ٹھیک ہو جاتی، تو عبداللہؓ نے فرمایا: یہ تو شیطان کی ایک چال ہے جو اپنے ہاتھ سے

---

[1] سنن أبي داود ت الأرنؤوط باب تعليق التمائم، ج6 ص 31 رقم الحديث 3883.

اس کو جھنجوڑتا ہے، جب وہ دم کرلیتا توشیطان اس سے رک جاتا ہے، آپ کے لئے رسول اللہ ﷺ کی بتائی ہوئی دعا کافی ہے: اے اللہ اس تکلیف کو دور فرما، شفاء دے مجھے تو شفاء دینا والا ہے، آپ کے شفاء کے علاوہ اور کوئی شفاء نہیں، ایسی شفاء جو کسی بیماری کو نہیں چھوڑتا۔

دوسرا ضابطہ:

کسی عمل کے جائز ہونے کے لئے صرف مقصود کا اچھا ہونا کافی نہیں ہے بلکہ عملی طریق کار کا شرعی دلائل کی روشنی میں جائزہ لینا بھی ضروری ہے۔ بسا اوقات کسی کام کا مقصود وہدف تو جائز بلکہ مستحسن ہوتا ہے لیکن عملی طور پر اس کے لئے جو طریقہ کار اختیار کیا جاتا ہے، اس میں کوئی شرعی سقم پایا جاتا ہے، ایسی صورت میں صرف یہ کہنا کافی نہیں ہے کہ چونکہ میری نیت یا میرا مقصد ایک جائز کام کو حاصل کرنا ہے، اس لئے یہ کام جائز ہے۔ بلکہ جس طرح مقصود کا شرعی نقطہ نظر سے جائز ومباح ہونا ضروری ہے ورنہ ناجائز مقصود کا گناہ لازم آتا ہے اگرچہ طریقہ کار جائز بھی ہو، چنانچہ اگر کوئی شخص شراب پینے کی نیت وقصد کے ساتھ کوئی ایسا مشروب پیئے جو شراب نہ ہو، بلکہ مباح ہو تو وہ اپنی نیت کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔ یوں ہی مقصود کے حاصل کرنے کے لئے جو ذرائع اور وسائل اختیار کئے جاتے ہیں، ان کا بھی شرعی ہدایات واحکام کے مطابق ہونا ضروری ہے اور اس میں اگر کوئی شرعی سقم پایا جائے تو گناہ سر آئے گا، مثال کے طور پر کوئی شخص امت کی عددی کثرت بڑھانے کے لئے کوئی ناجائز راستہ اختیار کرتا ہے تو مقصود کتنا ہی صالح وخالص کیوں نہ ہو، گناہ ضرور ہوگا۔

تیسرا ضابطہ

مقید اور مطلق کام کے احکام یکساں نہیں ہیں۔اس کی وضاحت یہ ہے کہ شرعی نقطہ نظر سے بعض چیزوں کی مشروط طور پر اجازت یا ممانعت وارد ہوتی ہے تو اپنی طرف سے اس میں توسیع کرنا درست نہیں ہے، توسیع کرنے کی صورت یہ ہے کہ اس مشروط حکم کو ان شرائط کے بغیر بھی برقرار رکھا جائے، چنانچہ وہ شرائط موجود نہ بھی ہو تو بھی جواز یا عدم جواز کا حکم باقی رکھا جائے۔مثال کے طور پر دم یا تعویذ کرنے کی شرعاً اجازت ہے لیکن یہ اجازت چند شرائط کے ساتھ مقید ہے،ان شرائط کا اچھی طرح لحاظ رکھے بغیر ہر دم یا تعویذ کو جائز کہنا غلط ہے،یوں ہی تعویذ کی بعض صورتوں کو احادیث مبارکہ میں شرک قرار دیا گیا ہے اور ان کی مذمت کی گئی ہے لیکن یہ ممانعت و مذمت چند باتوں کے ساتھ مقید ہے،ان باتوں کی رعایت رکھے بغیر ہر تعویذ کو شرک سمجھنا یا مذموم و ممنوع خیال کرنا بھی درست نہیں ہے۔

چوتھا ضابطہ

قرآن وحدیث کے نزول کا اصل مقصود دین حق کی تعلیمات وہدایات بتانا، انسانیت کو اپنے حقیقی خالق تک پہنچانا،اس کی خوشنودی اور قربت حاصل کروانا ہے۔متعدد آیات مبارکہ میں قرآن کریم کو جو شفاء کہا گیا ہے،اس کا اصل اور بنیادی مقصود بھی یہی ہے کہ اعتقادی گمراہیوں اور قلبی واخلاقی کمزوریوں سے اس میں سرمایہ صحت اور شفاء موجود ہے، لہٰذا کوئی شخص اعتقادی اور قلبی بیماریوں سے محفوظ رہنا چاہے تو قرآن کریم اس کا نسخہ اکسیر ہے جس کو اگر مضبوطی سے تھاما جائے تو ایسی ہر بیماری سے انسان محفوظ رہ سکتا ہے۔رہا یہ سوال کہ آیا قرآن کریم صرف انھی

جیسی بیماریوں سے شفاء وصحت کا باعث ہے یا دیگر ظاہری وجسمانی امراض وتکالیف سے راحت کا سامان بھی اس میں موجود ہے؟ تو اس کے متعلق محقق اہل علم کا جواب اگرچہ اثبات میں ہے اور ان کے نزدیک بہت سے جسمانی امراض وتکالیف کا بھی قرآن کریم سے علاج ہو سکتا ہے (اور دلائل سے یہی موقف درست بھی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ اسی کتاب میں ذکر کیا جائے گا، ان شاء اللہ) لیکن اس بات میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ:

الف: یہ نزولِ وحی کے بنیادی مقاصد میں سے نہیں ہے۔

ب: ہر شخص اس کا اہل وقابل بھی نہیں ہے۔ لہٰذا کوئی شخص سورت فاتحہ وغیرہ کے ذریعہ کسی بدنی مرض کا علاج کرنا چاہے اور اس کو دم یا تعویذ کے طور پر استعمال کرے لیکن اس کے باوجود اس کا کام نہ بنے تو اس سے قرآن کریم کی اہمیت وصداقت یا اس کی رفعت واحترام پر کوئی حرف نہیں آتا بلکہ اس میں عام طور پر اس طرح کرنے والے کی کمزوری ونااہلیت کا بھی دخل ہوتا ہے یا جس پر دم کیا جاتا ہو اس کے کسی سقم کا کردار ہوتا ہے جس کی وجہ سے دم کا ظاہر اثر نظر نہیں آتا۔

پانچواں ضابطہ

مروج عملیات کی حیثیت ایک علاج کی ہے، یہ اس معنٰی میں دین نہیں ہے جس کو چھوڑنا یا اس سے ناواقف رہنا موجب گناہ یا اللہ تعالٰی کے یہاں باعث حرمان ہو۔ دینداری اور بزرگی کا تعلق ایمان اور تقویٰ کے ساتھ ہے جس کی جامع وسہل تعبیر اتباع شریعت وسنت ہے۔ اگر اس کو خواہ مخواہ درج بالا معنٰی میں دین کا حصہ

سمجھا جائے تو یہ بدعت کے زمرے میں داخل ہو جائے گا، کیونکہ بدعت کی حقیقت یہی ہے کہ غیر دین کو دین قرار دیا جائے۔

فصلِ دوم:

عملیات: ایک تعارف

"عملیات" عمل کی جمع ہے اور اس میں یاء نسبت کے لئے ہے، اصل لفظ عمل ہے، عمل کا لفظ یوں تو ہر کام کاج پر بولا جاتا ہے لیکن یہاں اس سے خاص قسم کے اعمال مراد ہوتے ہیں چنانچہ "فیروز اللغات" میں ہے:

"عملیات: عمل کی جمع۔ افسوں۔ منتر۔ رسومات۔"[1]

لیکن رفتہ رفتہ اس لفظ کے مفہوم میں عموم ہونے لگا اور امراض و طرق علاج کی نت نئی شکلیں اس کے اندر داخل ہوتی رہیں۔ اب عام طور پر عملیات غیر طبّی و طبعی طریقہ علاج کو کہا جاتا ہے جس میں نظر بد اور سحر جیسے غیر ظاہری امراض کا علاج تو کیا ہی جاتا ہے، ساتھ کچھ جسمانی امراض کا علاج بھی کیا جانے لگا ہے۔ دم، تعویذ، جھاڑ پھونک، نیک فالی اور بد فالی، رمل و جفر وغیرہ حسابی طریقہ کار اور جنات وغیرہ کے تعاون سے مختلف امراض و مسائل حل کرنے کو عملیات کہا جاتا ہے اور ایسا کرنے والے کو عامل قرار دیا جاتا ہے۔

---

[١] فیروز اللغات، ص٩٥٨.

عملیات کا فقہی تجزیہ

درج بالا سطور سے واضح ہو گیا کہ عملیات کسی ایک عمل یا چند منضبط امور کا نام نہیں ہے جس پر کوئی ایک کلی حکم لگایا جا سکے بلکہ امراض و مسائل اور ان کے علاج وتصفیہ کی مختلف تدابیر وطرق کے لحاظ سے اس کی بیسیوں شکلیں ہو سکتی ہیں اور ہمارے ہاں عملیات ان ہی تمام امور کے مجموعے کا نام ہے حالانکہ ان تمام اجزاء کا حکم یکساں نہیں ہے۔

اجمالی طور پر یہی کہا جا سکتا ہے کہ عملیات کی حیثیت ایک طریقہ علاج کی ہے جو فی نفسہ تو مباح ہوتا ہے لیکن دیگر عوارض کی وجہ سے وہ مندوب یا ضروری بھی بن جاتا ہے اور بسا اوقات مکروہ ومذموم یا ممنوع بھی ہو جاتا ہے۔اگر عملیات کرنے سے مقصود کوئی نیک ہدف کا حاصل کرنا ہو اور اس کے لئے جو عملی راہ اختیار کی جاتی ہے،اس میں بھی کوئی شرعی سقم موجود نہ ہو تو یہ فی نفسہ جائز ہوگا اور اگر جس جذبے کے تحت عمل کیا جا رہا ہو، وہ جذبہ ہی نیک نہ ہو، یا جذبہ تو درست ہے لیکن اس کے لئے وسیلہ کے طور پر جو عمل کیا جاتا ہے،اس میں کوئی شرعی سقم موجود ہو تو ان دونوں صورتوں میں عمل ناجائز رہے گا، پھر جس درجے کا شرعی سقم موجود ہو،اسی کے بقدر عمل مذموم وممنوع ٹھہرے گا۔

اب عملیات کی مختلف صورتیں اور متعدد شعبے ہیں،ان میں سے ہر ہر عمل کے جائز ہونے کی شرائط کیا ہیں؟ اور ان میں کونسی ناجائز باتیں اور شرعی خرابیاں پائی جاتی ہیں؟اس کی تفصیل متعلقہ عنوانات کے تحت ذکر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

باب دوم

فصلِ اول

عامل سے متعلق کچھ شرائط واحکام

عامل سے مراد وہ شخص ہے جو عملیات کا کام کرتا ہے۔یوں تو عملیات بمنزلہ علاج اور عامل طبیب ومعالج کے مانند ہے، لہٰذا جس طرح معالج وطبیب کے لئے نہ مسلمان ہونے کی شرط ضروری ہے اور نہ ہی عاقل وبالغ ہونا لازم ہے، یوں ہی عامل کے لئے بھی یہ شرائط ضروری نہیں ہونی چاہئے اور در حقیقت مسئلہ ہے بھی ایسا۔ البتہ باقاعدہ ایک مشغلہ یا پیشہ کے طور پر اگر اس کام کو اپنایا جائے جس کو ہمارے ہاں عامل یا ماہر عملیات وغیرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے تو اس میں درج ذیل باتوں کا لحاظ ضروری ہے:

پہلی بات: جائز وناجائز کا علم

یہ ضروری ہے کہ ایسے شخص کو اپنے مشغلہ کی حد تک جائز اور ناجائز باتوں کا علم حاصل ہو، کن کن امراض ومسائل کا علاج کرنا جائز ہے اور کن کا نہیں؟ علاج ومعالجہ کے لئے کونسا کونسا طریقہ کار اختیار کیا جاسکتا ہے اور کونسا نہیں؟ یہ اور ان جیسی دیگر موٹی موٹی باتوں کا علم حاصل ہونا ضروری ہے۔ویسے تو اس بات میں شبہ نہیں ہے کہ:

الف: ہر شخص پر اپنی مصروفیت ومشغلہ کی حد تک دینی احکام کا علم حاصل کرنا ضروری ہے اور جن چیزوں سے اس کا واسطہ رہتا ہے،ان چیزوں کے متعلق شرعی

مسائل واحکام کا جاننا لازم ہے ورنہ جس طرح عملی کوتاہی کی وجہ سے گناہ ہوتا ہے اسی طرح متعلقہ مسئلہ نہ جاننے کا بھی گناہ ہوگا اور یوں ایسا شخص دوہرا مجرم شمار ہوگا۔

ب: جائز وناجائز باتوں کو جاننے اور اس میں تمیز پیدا کئے بغیر گناہ کے کاموں سے محفوظ رہنا یقینی نہیں ہے، جس شخص کو یہ معلوم نہ ہو کہ میں جس مصروفیت میں لگا ہوں، اس میں جائز باتیں کونسی ہیں اور ناجائز امور کونسے؟ تو اس کے متعلق کسی طرح یہ بھروسہ نہیں کیا جاسکتا کہ وہ ناجائز باتوں سے محفوظ رہے گا بلکہ متبادر یہی ہے کہ وہ بہت سی گناہوں کو بھی اپنے دامن میں جمع کرلے گا۔ اس لئے حضرات سلف صالحین کا معمول تھا کہ بازار میں اسی شخص کو تجارت کے لئے بیٹھنے کی اجازت دیتے تھے جس کو متعلقہ تجارت کے مسائل معلوم ہوتے۔

دوسری بات: مسلمان ہونا

حسی اور بدنی امراض کے علاج ومعالجہ میں ضروری نہیں ہے کہ معالج مسلمان ہو، بلکہ کافر ڈاکٹر سے بھی اپنے بخار وغیرہ کا علاج کروایا جاسکتا ہے، عملیات کے باب میں بھی اصولی لحاظ سے یہی ضابطہ جاری ہونا چاہئے لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عملیات میں اور عام طبّی علاج ومعالجہ میں کچھ فروق ہیں، چنانچہ طبّی علاج کا ایک خاص طریقہ کار ہوتا ہے جو عقل وتجربہ پر مبنی ہوتا ہے اور اس میں کوئی ناجائز عنصر شامل ہوتا ہے نہ ہی مسلمان یا کافر کا اس میں کوئی خاص فرق ہوتا ہے جبکہ عملیات کی دنیا اس کے برخلاف ہے، وہاں دم وتعویذ وغیرہ طریقوں کے ذریعے علاج کیا جاتا ہے اور اس میں کیا کلمات ہوتے ہیں؟ اس کے متعلق معالج کا خیال واعتقاد کیا ہوتا ہے؟ اس میں بے تحاشا تفاوت ہوتا ہے، یوں ہی طبّی معالجہ کرنا دیگر

تمام فنون کی طرح ایک فن ہے، اس کے ماہر کو دین کا ماہر نہیں سمجھا جاتا جبکہ عملیات کو عموماً لوگ دین و مذہب کے ساتھ جوڑتے ہیں اور عامل کو دین کا عالم و ذمہ دار تصور کرتے ہیں۔

ان باہم فروق کی وجہ سے اس بات کا اہتمام کر لینا چاہئے کہ ضرورت کے وقت مسلمان اور پابند شریعت عامل ہی کے پاس جایا جائے، غیر مسلم عملیات کا پیشہ اختیار کرنے والے کے پاس بالکل نہ جانا چاہئے۔ اس کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی ہے کہ اس باب کو شریعت نے آزاد و بے لگام نہیں چھوڑا بلکہ چند شرائط لگائی ہے اور ان شرائط کی پابندی وہی کر سکتا ہے جو مسلمان بھی ہو اور شرعی احکام و حدود کا پابند بھی۔ اگر کوئی شخص مسلمان نہیں ہے یا دینی احکام و قیود کی پابندی نہیں کرتا اور اس کے متعلق یہ بات معلوم بھی ہو تو ایسے شخص کے پاس جانا انجام کار گناہ کے کام میں تعاون کرنا ہے۔

عملیات بطور پیشہ اختیار کرنا

مسئلہ: سلف صالحین کے حالات و تراجم مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں عملیات اور دم و تعویذ کا باقاعدہ پیشہ کے طور پر رواج نہیں تھا، ضرورت کے موقع پر تو وہ شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے دم یا تعویذ کرتے تھے لیکن کوئی باقاعدہ اپنے آپ کو اسی کام کے لئے فارغ کر کے بیٹھے، اسی کو اوڑھنا بچھونا بنائے، یہی اس کے گزران و معاش کا وسیلہ ہو، اس کا کوئی رواج نہیں تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام کچھ زیادہ پسندیدہ نہیں ہے۔

مسئلہ: موجودہ دور میں عملیات کی حیثیت ایک باقاعدہ فن کی سی ہے، جس طرح طب وغیرہ فنون میں مہارت حاصل کرنا اور پھر اس کو پیشہ کے طور پر اختیار کرنا جائز ہے یوں ہی عملیات کا بھی فی نفسہ یہی حکم ہے، تاہم دیگر تمام مشاغل کی طرح یہاں بھی درج ذیل شرائط کا لحاظ رکھنا ضروری ہے:

الف: جو شخص اس کو باقاعدہ مشغلہ کے طور پر اختیار کرنا چاہتا ہے، اس کو اپنے اوپر یقین ہو کہ اس کی وجہ سے کسی گناہ کا ارتکاب نہیں کرنا پڑے گا، عملیات کے باب میں گناہ کی صورتیں متعدد ہو سکتی ہیں، مثال کے طور پر ناجائز مقاصد کے حاصل کرنے کے لئے عملیات کرنا، سحر وغیرہ ناجائز ذرائع اختیار کرنا، عورتوں کے ساتھ اختلاط کی صورت میں شرعی حجاب کا لحاظ نہ رکھنا وغیرہ۔ یوں تو یہ شرط عملیات کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام مشاغل کا یہی حکم ہے، لیکن یہاں اس کو خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ دیگر امور کی بنسبت عملیات کے میدان میں موجودہ منکرات کی طرف عام طور پر زیادہ التفات نہیں کیا جاتا۔

ب: اس کو خالص دینی منصب باور نہ کرایا جائے۔ بلکہ طب وغیرہ دیگر پیشوں کی طرح اس کو بھی ایک جائز و مباح مشغلہ سمجھا جائے۔

☆☆☆☆☆☆☆

فصلِ دوم: مقاصد عملیات:

جن اہداف و مقاصد کے لئے لوگ عملیات کرتے ہیں، وہ یوں تو بہت زیادہ ہیں لیکن ذیل میں چند اہم اور بنیادی صورتیں درج کی جاتی ہیں اور ساتھ ان کے بنیادی ضوابط واحکام متعین کرنے کی بھی کوشش کی جاتی ہے تاکہ اس سے وابستہ صورتوں کے احکام معلوم ہو سکیں۔

مختلف امراض وتکالیف کا علاج

جن مقاصد کے لئے عملیات کئے جاتے ہیں، ان میں سر فہرست یہی "مختلف امراض و پریشانیوں کا علاج" ہے، چنانچہ سر، دانت، کان وغیرہ اعضاء وجوارح میں درد وغیرہ کے وقت لوگ دم و تعویذ جیسے امور کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اس کا حکم یہ ہے کہ جس طرح مختلف بیماریوں کا طبّی علاج جائز ہے یوں ہی عملیات کرنے میں بھی مضائقہ نہیں ہے، بلکہ جان بچانے کے یقینی ذرائع واسباب کو اختیار کرنا ضروری، ظنی اسباب کو اختیار کرنا مندوب و مسنون، جبکہ موہوم اسباب کے پیچھے پڑے رہنا جبکہ کسی ناجائز امر پر مشتمل نہ ہو رخصت لیکن خلاف توکل ہے۔

پھر امراض کی بھی دو قسمیں ہیں: پہلی قسم ان امراض کی ہے جس کا کوئی ظاہری سبب اور طبّی تشخیص نہیں ہوتی، مثال کے طور پر نظر بد، سحر وآسیب، جنات کا تنگ وپریشان کرنا وغیرہ۔ ان جیسے امراض سے چھٹکارا پانے کے لئے جائز عملیات کے اختیار کرنے میں نہ صرف یہ کہ مضائقہ نہیں ہے بلکہ عملیات ہوتے ہی عموماً ان جیسے امراض کے علاج کے لئے ہے۔ دوسری قسم میں وہ امراض ہیں جن کو حسی اور بدنی امراض کہا جاتا ہے مثلاً گردہ، مثانہ یا معدہ کی کوئی بیماری ہو یا یرقان و بخار وغیرہ کا

عارضہ ہو۔راجح اور درست بات یہی ہے کہ ان جیسے امراض کے لئے بھی دم اور تعویذ وغیرہ کرنے میں مضائقہ نہیں ہےاور ایسا کرنا مفید بھی ہوسکتا ہے۔

محبت یاعداوت ڈالنا

عملیات کے اہم مقاصد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ دو یازیادہ افراد کے درمیان محبت یاعداوت پیدا کی جائے۔اس کے حکم میں یہ تفصیل ہے کہ :

الف : شرعی نقطہ نظر سے جہاں محبت یاعداوت ضروری ہو، وہاں اس کے خلاف جذبات ڈالنے اور ابھارنے کے لئے کوئی وسیلہ اختیار کرنا جائز نہیں ہے، مثال کے طور پر میاں بیوی، قریبی رشتہ داروں اور عام مسلمانوں کے آپس میں محبت ومودت کی فضاء رکھنا شرعاً مطلوب ہےاور نفرت وعداوت رکھنا مذموم وممنوع ہے،اب یہاں محبت ختم کرنےاور نفرت ودشمنی کے جذبات بھڑکانے کے لئے عملیات سمیت کوئی ذریعہ اختیار کرنا بالکل ناجائز ہے چاہے وہ سحر وجادو کے ذریعہ ہو یا یوں ہی جھاڑ پھونک اور سادہ تعویذ کے ذریعے۔ غرض اس ناجائز مقصود کو حاصل کرنے کے لئے چاہے ناجائز راستہ اختیار کیا جائے یاایسا وسیلہ اختیار کیا جائے جس میں بظاہر کوئی معصیت نہ ہو، دونوں صورتیں جائز نہیں ہیں۔

ب:اس حد تک محبت یاعداوت پیدا کرنا کہ انسان اپنے اختیار سے نکل جائے اور بے اختیاری کی حالت میں کسی کے ساتھ اعتدال سے زیادہ اچھائی واحسان یا ظلم وعدوان کا مظاہرہ کرے۔اس میں ایک خرابی تو یہ ہے کہ انسان کی جائز حد تک آزادی بھی سلب کی جاتی ہےاور دوسری خامی یہ ہے کہ اس کے نتیجے میں یاتوناجائزاور گناہ کا کام صادر ہوتا ہے یا تبرع واحسان کیا جاتا ہے، پہلی شق کا غلط ومذموم ہونا تو محتاجِ

بیان نہیں ہے ،دوسری شق کے ممنوع ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انسان کی دلی رضامندی کے بغیر اس سے احسان کروایا جارہا ہے حالانکہ جس طرح طاقت کے بل بوتے کسی کو صدقہ دینے پر مجبور کرنا جائز نہیں ہے یوں ہی عملیات وغیرہ سہاروں سے اس کی دلی رضامندی کے بغیر اس کو صدقہ وغیرہ پر آمادہ کرنا بھی ناجائز ہی ہے۔

ج: محبت یا عداوت پیدا کرنے پر کوئی ایسا نتیجہ یقینی طور پر مرتب ہوتا ہو جو شرعی نقطہ نظر سے جائز نہ ہو، مثال کے طور پر معلوم ہو کہ اگر فلاں افراد کے درمیان عداوت پیدا ہو جائے تو ایک دوسرے کی حق تلفی کریں گے، محبت پیدا کی جائے تو ناجائز حد تک دوستی کریں گے اور غیر شرعی امور میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں گے۔

تسخیر خلائق

عملیات کا ایک مقصد تسخیر خلائق بھی ہے۔جن تراکیب سے اس کو حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، وہ واقعۃً کارآمد اور نتیجہ خیز ثابت ہوتی ہیں یا نہیں؟ اس بات سے قطعِ نظر اس بات میں شبہ نہیں ہے کہ عملیات کے باب میں اس کو ایک مقصود کی حیثیت حاصل ہے۔اس کے متعلق ضابطہ کی بات یہ ہے کہ مباح امور میں انسان کو اپنے اختیار سے نکالنا اور اپنی مرضی کے نتائج حاصل کرنے کی کوشش کرنا جائز نہیں ہے ،ناجائز ہونے کے ساتھ ساتھ یہ شان عبدیت سے بھی متصادم ہے۔دینی فرائض پر لوگوں کو لگانا اور ناجائز و حرام کاموں سے لوگوں کے بچنے بچانے کا انتظام کرنا تو اسلامی حکومت کا فریضہ بلکہ اس کے مقاصد وجود میں سے ایک اہم اور بنیادی مقصد ہے اور عام افراد پر بھی اپنی استطاعت کے مطابق اس کا اہتمام کرنا

ضروری اور دعوت دین کا حصہ ہے لیکن مباح امور میں بلا وجہ اس بات کا اختیار نہیں ہے، لہٰذا جو عملیات اس مقصد کے لئے کئے جاتے ہیں کہ لوگ ضرور میرے تابع فرمان بن جائیں، ناجائز ہیں۔

مستقبل بینی

مستقبل بینی کا معنٰی یہ ہے کہ آئندہ کے حالات کو معلوم کرنے کی کوشش کی جائے، اسی طرح ماضی میں جو کچھ واقعات وحوادث پیش آچکے ہیں، ان کے متعلق بعض پوشیدہ باتیں معلوم کرلی جائیں چنانچہ چوری وغیرہ کے جرائم کے مرتکب کا سراغ لگانا وغیرہ۔ یادر رہے کہ مستقبل میں کیا ہوگا اور آئندہ کیا کچھ واقعات وحوادث درپیش ہوں گے؟ یہ ان امور میں سے ہے جن کا حقیقی اور یقینی علم اللہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہے۔ قرآن کریم میں ارشادِ خداوندی ہے:

{إِنَّ اللهَّ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللهَّ عَلِيمٌ خَبِيرٌ} [لقمان: ٣٤]

ترجمہ: "بیشک اللہ ہی کو قیامت کی خبر ہے اور وہی مینہ برساتا ہے اور وہی جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے پیٹوں میں ہوتا ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا کرے گا اور کوئی نہیں جانتا کہ کس زمین پر مرے گا، بیشک اللہ جاننے والا خبردار ہے۔"

مستقبل بینی کی اہمیت اور مختلف صورتیں

انسان طبعی طور پر حریص واقع ہوا ہے، وہ چاہتا ہے کہ ہر خیر سے اپنی جولی بھردے اور ہر شر ونقصان سے مامون ومحفوظ رہے، اسی کا وہ خواہاں ہوتا ہے لیکن

اس جذبے کو تبھی پوری طرح تسکین مل سکتی ہے جب مستقبل کے حالات اس کے پیش نظر ہوں اور وہ اس بات کو جانتا ہو کہ کل کیا ہو گا؟ کونسے مشکلات وخطرات سے اس نے دوچار ہونا ہے؟ اور کن کن کامیابیوں اور خوشیوں نے اس کا استقبال کرنا ہے؟ یہ معلوم کرنا اس لئے ضروری ہے تاکہ اس کے لئے وہ پیشگی طور پر کوئی تدبیر کرے تاکہ نفع وخوشی کی باتوں کو چھانٹ چھانٹ کر اپنے دامن میں جمع کرے اور مشکلات ونقصانات کے کانٹوں سے اپنی پوری طرح حفاظت کرے اور اگر پہلے سے کوئی تدبیر اختیار کی ہو تو اس کا نتیجہ بھی ابھی سے واضح ہو جائے۔

مستقبل بینی کی یہ خواہش حضرت انسان کی گھٹی میں داخل ہے [1] یہی وجہ ہے کہ طرح طرح کے راستوں کا خاک چھان کر اس نے اس مقصود کی تکمیل کے لئے مختلف ذرائع دریافت کئے ہیں جن میں سے چند نمایاں ذرائع یہ ہیں:

ا۔ کہانت۔ چنانچہ قدیم وجدید ہر زمانے میں ایسے افراد موجود ہوتے ہیں جن کا دعوی ہوتا ہے کہ نادیدہ مخلوق کے ساتھ ان کا رابطہ ہے اور ان کے ذریعے ان کو مستقبل کے کل یا کچھ واقعات وحالات معلوم ہو جاتے ہیں۔

۲۔ عرافت۔ یعنی حساب وکتاب وغیرہ ذرائع کے سہارے ماضی کے پوشیدہ وغیب باتیں جاننے کی کوشش کرنا یا مستقبل کے حالات واحوال پر اطلاع یابی پانے کے درپے ہونا۔

---

[1] یہی وجہ ہے کہ امام شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مفید ومشہور کتاب "حجۃ اللہ البالغۃ" میں اس کو بنیادی انسانی ارتفاقات میں سے گنوایا ہے۔

۳۔ ہتھیلی دیکھ کر کسی کی قسمت کا حال معلوم کرنا، کہ وہ آئندہ زمانے میں خوش ہوگا یاناخوش؟ فلاح وکامرانی اس کا استقبال کرے گی یا ناکامی وخسارے سے دوچار ہونا ہوگا؟۔

۴۔ نیک فالی اور بدفالی کی دسیوں قسمیں۔ جہاں مختلف طریقوں سے اپنے یا کسی دوسرے انسان کی مستقبل کا حال دریافت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اوراس کی کامیابی وناکامی کو جانچ لیا جاتا ہے۔

۵۔ ستاروں، سیاروں اور افلاک کی حرکت وسکون وغیرہ مختلف احوال سے استدلال کرنا۔ اس کو باقاعدہ ایک دقیق واہم فن کی حیثیت حاصل ہے اور پرانے زمانے سے مختلف طبقات میں اس کا راج ورواج ہے۔

۶۔ جفر ورمل جیسے فنون کے ذریعے۔ جہاں کچھ نقشے وغیرہ بنائے جاتے ہیں اور پھر ایک خاص ترکیب وترتیب سے اس سے مستقبل کے حالات معلوم کئے جاتے ہیں یا کم از کم اس کی کوشش کی جاتی ہے۔

مستقبل بینی کی مختلف صورتوں کے احکام

مختلف اسباب وآلات کے ذریعے جزوی طور پر کچھ باتیں معلوم کی جاسکتی ہیں ،چاہے وہ حسی اور مادی اسباب ہوں مثلاً آب وہوا کو دیکھ کر گرمی، سردی یا بارش وغیرہ کا حال معلوم کرنا، یا غیبی اور روحانی وسائل ہوں مثلاً کشف، الہام اور وحی۔ ان مختلف ذرائع سے حاصل ہونے والی بعض باتیں یقین کے درجے میں ہوتی ہیں اور بعض ظن وتخمین کی حد تک۔ اب ان میں سے جو جو اسباب انسان کے دائرہ اختیار سے باہر ہے، ان کے متعلق تو جائز وناجائز کا سوال ہی بے جا ہے لیکن جن اسباب میں

انسان کے قصد واختیار کا دخل ہے، ان کے متعلق یہ سوال بجا طور کھڑا ہوتا ہے کہ ان کو کام میں لانا اوران کے سہارے مستقبل کی کچھ باتیں معلوم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ یہ ایک غور طلب مسئلہ ہے جس کی تفصیل یہاں ذکر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

"کل کیا ہوگا؟"اور "مستقبل میں کیسے حالات کا سامنا ہوگا؟" یہ ان غیبی امور میں سے ایک ہے جو اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ مخصوص ہے اور مخلوق خدا کو اس کا پورا علم نہیں ہو سکتا، قرآن کریم میں اس کا اعلان فرمایا گیا ہے، چنانچہ ایک جگہ ارشادِ خداوندی ہے:

{إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ}[1]

ترجمہ: "بیشک اللہ ہی کو قیامت کی خبر ہے اور وہی مینہ برساتا ہے اور وہی جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے پیٹوں میں ہوتا ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا کرے گا اور کوئی نہیں جانتا کہ کس زمین پر مرے گا بیشک اللہ جاننے والا خبر دار ہے"

اس سے معلوم ہوا کہ مستقبل کے حالات وحوادث کا علم اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ خاص ہے، مخلوق کو اس کا علم نہیں ہو سکتا۔ اب اللہ تعالیٰ کی صفت مخصوصہ ہونے کی وجہ سے اس کی تحصیل کی کوشش کرنا بھی درست نہیں ہونی چاہئے، کہانت، عرافت اور علم نجوم کی مذمت وممانعت سے بھی اس کی پوری تائید ہو جاتی

---

[1] لقمان: رقم الآیۃ 34.

ہے۔اسی طرح قرآن وسنت کے بیسیوں واضح نصوص ہیں جن میں غیر اللہ سے علم غیب کی نفی کی گئی ہےاور ساتھ دوٹوک انداز میں یہ تبلیغ وتلقین کی گئی ہے کہ غیب دانی اور مستقبل کے حالات کا علم اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ خاص ہے جس میں اس کا کوئی شریک وسہیم نہیں ہے۔اسی لئے حضرات فقہائے کرام نے غیب دانی کے دعویٰ کو کفر وارتداد کے اسباب وکلمات میں سے شمار فرمایاہے چنانچہ کتب فتاوٰی کے "باب الردۃ "میں اس کی صراحت فرمائی گئی ہے۔

اس تناظر میں اگر درج بالا تمام صورتوں کو کفر وشرک یا حرام وممنوع قرار دیاجائے تواس میں دیگر مشکلات کے علاوہ ایک بڑی مشکل یہی ہے کہ مناط حکم متحقق نہیں ہے کیونکہ ان تمام ذرائع کو حقیقی معنٰی میں علم غیب سمجھنا مشکل ہے چنانچہ یہاں تو عموماً مختلف اسباب اختیار کر کے کوئی بات معلوم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

لیکن دوسری طرف دیکھا جائے تو:

الف: اسباب اور وسائل اختیار کر کے جو باتیں معلوم ہوتی ہیں،ان کو علم غیب کہنا ہی درست نہیں ہے کیونکہ اس کے حاصل کرنے میں اسباب کاسہارالیاجاتاہے،لہذاایساعلم علم غیب ہے نہ ہی اللہ تعالیٰ کے ساتھ اختصاصی تعلق ہے،اس لئے اس بنیادپراس کو ممنوع قرار دینامشکل ہے۔

ب: مستقبل کی ہر بات معلوم کرنے کی ہر کوشش کو ناجائز کہنا بڑا مشکل بلکہ متعدد دلائل سے متصادم معلوم ہوتا ہے،چنانچہ موسم اور آب وہوا وغیرہ کے ذریعے سردی وگرمی کے درجہ حرارت وبرودت،بارش ہونے نہ ہونے،اور

سورج گرہن وچاند گرہن وغیرہ باتوں کی پیش گوئیاں دی جاتی ہیں، مختلف اجرام فلکیہ کے حالات وحرکات سے چاند کے طلوع وغروب کے حالات کا اندازہ لگایا جاتا ہے اور یہ کسی کے نزدیک بھی ناجائز نہیں ہے، نہ ہی اس کی ممانعت پر کوئی نص دلالت کرتی ہے۔۔نفسیات کے ماہرین افراد کسی شخص کی شکل وصورت کو دیکھ کر یا ان کے حرکات وغیرہ چیزوں کو جانچ کر اس کے مستقبل کے متعلق تخمینہ کی حد تک بہت سی باتیں بتاتے ہیں، یوں ہی طب وحکمت وغیرہ فنون کے ماہرین کا بھی حال ہے لیکن اس کے ناجائز ہونے کا بھی کوئی قائل نہیں ہے۔

ج: خود روایات مبارکہ میں "فراست مؤمن" کی تائید کے ضمن میں ان جیسے کئی واقعات کی تائید وتصدیق داخل ہو جاتی ہے۔

قول فیصل

ان دونوں متعارض پہلوؤں، ان کے اسباب ووجوہات، دلائل اور اشباہ ونظائر پر مکرر غور وخوض کے بعد جو بات درست معلوم ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ مستقبل بینی کی درج ذیل صورتیں ہو سکتی ہیں اور ان تمام صورتوں کا حکم یکساں نہیں ہے بلکہ مختلف ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

الف: مستقبل بینی کے جن ذرائع کی مذمت وممانعت نصوص میں ذکر کی گئی ہے، ان کو اختیار کرنا مذموم وممنوع ہے، مثلاً کہانت، عرافت، اور علم نجوم کے ذریعہ مستقبل کے حادثات کی کھوج لگانا۔اور اگر ان ذرائع کو اختیار کرنے کی کسی صورت میں کوئی ایسا اقدام بھی کیا جائے جو کفر یا شرک کا باعث ہو تو اس کے مطابق حکم دیا جائے گا۔

ب: جن اسباب کی ممانعت منصوص تو نہ ہو لیکن جو شخص اس کو اختیار کر رہا ہو، خود اس کے حق میں یا دیگر عوام کے حق میں کسی غلط عقیدہ پیدا ہو جانے کا سبب ہو، وہ بھی ناجائز ہیں، مثال کے طور پر ان جیسی باتوں کی بنیاد پر غیب دانی کا دعویٰ کرنا، اللہ تعالیٰ کے علاوہ نجوم وغیرہ کسی بھی چیز کو مؤثر حقیقی خیال کرنا، وغیرہ۔

ج: مستقبل بینی کا مقصود شرعاً جائز نہ ہو یا طریقہ کار میں کوئی شرعی منکر شامل ہو تو بھی ناجائز ہے۔

د: کوئی شخص اس معنیٰ میں غیب دانی کا دعویٰ کرے جس میں یہ اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ مخصوص ہے، مثال کے طور پر علم ذاتی یا علم محیط کا دعویٰ کرے جس سے کوئی چیز خارج نہ ہو۔ اس کا حکم واضح ہے کہ یہ شرک وکفر کا موجب ہے، چاہے اپنے حق میں اس طرح بے بنیاد دعویٰ کرے یا کسی دوسرے شخص کے حق میں۔

ر: مستقبل بینی کے ساتھ ساتھ کوئی فاسد عقیدہ بھی شامل ہو جائے چنانچہ نجوم وافلاک کی حرکات دیکھ کر مستقبل کے حالات دریافت کئے جائیں اور ان حالات میں خود ان نجوم وافلاک ہی کو موثر سمجھا جائے، اسی طرح جنات یا ارواح کی مدد سے مستقبل کا حال معلوم کیا جائے اور ان کو عالم غیب خیال کیا جائے۔ اس کا حکم بھی واضح ہے کہ جو عقیدہ ضم ہے، اسی کے مطابق حکم دیا جائے گا، لہٰذا اگر کفریہ عقیدہ ہو تو کفر، اور حرمت وممانعت کا اعتقاد ہو تو ممانعت وحرمت کا حکم جاری ہو گا۔

س: اگر یہ ساری باتیں موجود نہ ہوں تو ایسی صورت میں مستقبل بینی کرنا فی نفسہ مباح ہے اور دیگر مباحات کی طرح مقاصد کے لحاظ سے اس کے حکم میں تفاوت آسکتا ہے۔ تاہم عام حالات میں ایسا کرنا کمالِ تفویض کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔

فقہاء کرام کی تصریحات

"شرح عقائد" میں ہے:

"والمنجّم إذاادعى العلم بالحوادث الآتية،فهو مثل الكاهن.وبالجملة العلم بالغيب أمر تفرّد به الله تعالى، لاسبيل إليه للعباد إلابإعلام منه،أوإلهام بطريق المعجزة أوالكرامة، أوإرشاد إلى الاستدلال بالأمارات فيما يمكن فيه ذلك.ولهذاذكرفي الفتاوى أنّ قول القائل عند رؤية هال القمر((يكون مطرا))مدّعياعلم الغيب،لابعلامته،كفر".[1]

ترجمہ: "نجومی اگر یہ دعوی کرے کہ مجھے آنے والے واقعات کا علم ہے تو یہ بھی کاہن کی طرح ہے، بہرحال علمِ غیب صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، بندہ کے پاس علم غیب کے حصول کا کوئی راستہ نہیں، سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ معجزہ ، یاالہام یااظہارِ کرامت کے طور پر مطلع کردے یاکچھ ایسی علامات کی طرف اس کی رہنمائی کردے جس سے غیب کی باتوں کا اندازہ لگانا ممکن ہو۔اسی وجہ سے فتاویٰ میں مذکور ہے کہ اگرکوئی چاند کو بادل سے چُھپتا دیکھ کر علمِ غیب کا دعوی کرکے کہے: کہ بارش ہوگی، توکفر کا مرتکب ٹھہرے گا، لیکن اگر بادل کودیکھ کر بارش کی علامت کے طور پر کہے (کہ بارش ہوگی) توکافر نہ ہوگا"۔

"شرح عقائد" کی معروف شرح "نبراس" میں ہے:

---

[1] شرح العقائد، مبحث مسألۃ علم الغیب ص ۳۸۰.

"وبالجملة العلم بالغيب امر تفرد به الله تعالى، لاسبيل اليه للعباد الابإعلام منه (بالوحي) أوإلهام بطريق المعجزة أوالكرامة، أوإرشاد (عطف على إعلام) إلى الاستدلال بالأمارات (اي العلامات كأوضاع النجوم، وأشكال الرمل، والأدلة المذكورة في الطب على كيفية المزاج وسرعة البرء أوالهلاك والبحارين في يمكن فيه ذالك، بخلاف ماإذالم يمكن الإستدلال عليه؛ فإنه لايمكن معرفته إلابوحي أوإلهام، كالقيامة وأشراطها). ولهذا (اي لماذكر من ان العلم الاستدلالي ليس من علم الغيب الخاص بالحق سنحانه) ذكرفي الفتاوى (أي فتاوى علماءماوراءالنهر)"[١]

ترجمہ: "علمِ غیب صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، بندہ کے پاس علم غیب کے حصول کے لئے کوئی راستہ نہیں سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ اس کو وحی یاالہام کے ذریعے یا معجزہ، کرامت کے طور پر یاکچھ ایسی قرائن (علامات جیسے ستاروں کے حالات، ریت پر مختلف شکلیں یاطبّی علامات جن سے مزاج کی کیفیت کااندازہ لگانا ممکن ہوتاہےاور صحت وہلاکت کاپتہ چلتاہے، بر خلاف ان باتوں کے جن پر اطلاع ممکن نہ ہو، جیسے قیامت اور اور ان کے علامات کہ ان کا جاننا وحی کے بغیر ممکن نہیں) کے ذریعے مطلع کردے یا علامات سے استدلال کی طرف اس کی رہنمائی

[١] النبراس شرح العقائدالنسفية، مبحث تصديق الكاهن بما يخبر به عن الغيب كفر، ص٥٥٢.

کردے، جن سے غیب کی باتوں کا اندازہ لگانا ممکن ہو۔ نیز علمِ استدلالی وہ علمِ غیب نہیں جو حق سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ خاص ہے)

"فتاویٰ شامی" میں ہے:

"والحاصل أن الكاهن من يدعي معرفة الغيب بأسباب وهي مختلفة فلذا انقسم إلى أنواع متعددة كالعراف. والرمال والمنجم: وهو الذي يخبر عن المستقبل بطلوع النجم وغروبه، والذي يضرب بالحصى، والذي يدعي أن له صاحبا من الجن يخبره عما سيكون، والكل مذموم شرعا، محكوم عليهم وعلى مصدقهم بالكفر. وفي البزازية: يكفر بادعاء علم الغيب وبإتيان الكاهن وتصديقه. وفي التتارخانية: يكفر بقوله أنا أعلم المسروقات أو أنا أخبر عن إخبار الجن إياي اهـ."[1]

ترجمہ: "کاہن اسے کہتے ہیں جو اسباب کے ذریعے غیب کی باتیں جاننے کا دعوی کرتا ہو اور وہ اسباب مختلف ہیں، اسی وجہ اس کی کئی قسمیں ہیں، جیسے عرّاف، رمال اور نجومی ۔ نجومی وہ ہے جو کسی خاص ستارے کے طلوع اور غروب سے مستقبل کی خبر دے اور وہ جو پتھروں پر ضرب کا عمل کرتا ہو اور وہ جو یہ دعوی کرتا ہوں کہ میرا ایک جن دوست ہے وہ مجھے آنے والے حالات کا خبر دیتا ہے، یہ سب شرعاً مذموم ہیں، ان پر اور ان کی تصدیق کرنے والوں پر کفر کا حکم لگ چکا ہے۔ اور "بزازیہ" میں ہے کہ: علم غیب کا دعوی کرنے سے، کاہن کے پاس جانے سے اور اس کی تصدیق کرنے سے (آدمی) کافر

---

[1] الدر المختار وحاشية ابن عابدين (رد المحتار)، كتاب الجهاد ، باب المرتد ، مطلب توبة اليأس مقبولة دون إيمان اليأس ،ج4ص ۲۴۲.

ہوگا۔اور "تاتارخانیہ" میں ہے: کہ اگر کوئی یہ کہے کہ میں چوری کا پتہ لگا سکتا ہوں، تو اس کہنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ یا یہ کہے کہ مجھے (مستقبل کی باتیں) جنات بتاتے ہیں جو میں آپ کو بتاتا ہوں"۔

مستقبل کے متعلق پیشن گوئی کرنا

ان نقول کا تقاضا یہ ہے کہ موسمیات سے وابستہ جو لوگ مستقبل میں موسم سے متعلق قطعی پیشن گوئی کریں تو وہ بھی کاہن قرار پائے، سوائے ان کے جن کو اللہ تعالی الہام یا کرامت کے طور پر کچھ چیزیں بتادیتے ہیں کہ وہ اس کو اس لئے کہانت کے ذیل میں داخل نہیں کر سکتے کہ وہ علم غیب کے عموم میں داخل ہی نہیں ہے، اسی طرح اگر وحی والہام کے علاوہ کسی دوسرے معتاد ذریعے کو بنیاد بنایا جائے اوراس کے سہارے مستقبل کی کوئی پیش گوئی دیدی جائے تو چاہیئے کہ وہ بھی علم غیب میں داخل نہ ہو اور اس کو بھی مذموم کہانت کے زمرے میں داخل نہ قرار دیا جائے۔

یہی باتیں علامہ شامی رحمہ اللہ آگے عبارت میں لکھتے ہیں:

"قلت: فعلى هذا أرباب التقاويم من أنواع الكاهن لادعائهم العلم بالحوادث الكائنة. وأما ما وقع لبعض الخواص كالأنبياء والأولياء بالوحي أو الإلهام فهو بإعلام من الله تعالى فليس مما نحن فيه اهـ.قلت: وحاصله أن دعوى علم الغيب معارضة لنص القرآن

فيكفر بها، إلا إذا أسند ذلك صريحا أو دلالة إلى سبب من الله تعالى كوحي أو إلهام، وكذا لو أسنده إلى أمارة عادية بجعل الله تعالى".[1]

ترجمہ:" جنتری، کلینڈر بنانے والے بھی کاہنوں میں داخل ہیں، کہ وہ بھی آئندہ ہونے والے واقعات کے علم کا دعوی کرتے ہیں۔البتہ بعض خواص جیسے انبیاء اور اولیاء کے ساتھ وحی یا الہام کے ذریعے جو واقعات پیش آتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں، وہ ہماری بحث میں داخل نہیں ہے۔ خلاصہ یہ کہ علمِ غیب کا دعویٰ نصِ قرآنی کے معارض ہے،اس لئے اس سے آدمی کافر ہو گا،الّا یہ کہ وہ اس کی نسبت صراحۃً یا دلالۃً اللہ تعالیٰ کی طرف کرے، جیسے وحی یا الہام،اسی طرح اگر کسی عام علامت کی طرف اس کی نسبت کرے جس کو اللہ تعالیٰ نے (علم کے لئے ذریعہ) بنایا ہو (یعنی ان صورتوں میں کافر نہ ہو گا)"۔

اس پر صاحب ہدایہ کی ایک عبارت کو استدلال واستیناس کے طور پر ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"قال صاحب الهداية في كتابه مختارات النوازل: وأما علم النجوم فهو في نفسه حسن غير مذموم، إذ هو قسمان: حسابي وإنه حق وقد نطق به الكتاب. قال تعالى {الشمس والقمر بحسبان} أي سيرهما بحسبان. واستدلالي بسير النجوم وحركة الأفلاك على الحوادث بقضاء الله تعالى وقدره، وهو جائز كاستدلال الطبيب

---

[1] الدر المختار وحاشية ابن عابدين، كتاب الجهاد، باب المرتد، مطلب توبة اليأس مقبولة دون إيمان اليأس، ج4 ص ٢٤٣.

بالنبض على الصحة والمرض، ولو لم يعتقد بقضاء الله تعالى أو ادعى علم الغيب بنفسه يكفر اهـ"[1]

ترجمہ: صاحبِ ہدایہ نے اپنی کتاب "مختارات النوازل" میں فرمایا ہے: کہ علم نجوم فی نفسہ درست ہے برا نہیں، کیونکہ اس کی دو قسمیں ہیں: حسابی علمِ نجوم، یہ درست ہے قرآنِ مجید میں اس کا تذکرہ ملتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: {الشمس والقمر بحسبان} یعنی ان (سورج اور چاند) کی چلن حساب سے ہے۔ اور استدلالی علمِ نجوم: کہ ستاروں اور سیاروں کی نقل و حرکت سے اللہ تعالیٰ کے قضاء وقدر کے ذریعے ہونے والے حادثات پر استدلال کرنا، اور یہ جائز ہے، جیسا کہ طبیب نبض کے ذریعے صحت اور مرض معلوم کرتا ہے (یہ بھی اسی طرح ہے)۔ البتہ اگر کوئی اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور قضاء کا عقیدہ نہ رکھے یا اپنی طرف سے علمِ غیب کا دعویٰ کرے، تو کافر ہوگا۔

علامہ ابو العباس احمد قرطبیؒ رحمہ اللہ "حدیث جبرئیل" کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں کہ کوئی شخص از خود غیب جاننے کا قطعی دعویٰ کرے تو وہ جھوٹا ہی ہوگا، البتہ اگر کوئی شخص کسی معتاد طریقے سے اندازے وامکان کی حد تک مستقبل کے متعلق کوئی پیش گوئی کرتا ہے تو یہ شرعاً ممنوع ہے نہ ہی علم غیب کے دعویٰ کے ضمن میں شامل ہے، فرماتے ہیں:

"فمَنِ ادعَى عِلمَ شيء من هذه الأمور، كان في دعواه كاذبًا، إلا أن يُسنِدَ ذلك إلى رسولٍ بطريقٍ تُفيدُ العِلمَ القطعيَّ؛ ووجودُ ذلك

---

[1] الدر المختار وحاشية ابن عابدين، كتاب الجهاد، باب المرتد، مطلب توبة اليأس مقبولة دون إيمان اليأس، ج٤ ص٢٤٣.

متعذِّر بل ممتنعٌ. وأما ظنُّ الغيب فلم يتعرَّض شيءٌ من الشرع لنفيِهِ ولا لإثباته؛ فقد يجوزُ أن يَظُنَّ المنجِّمُ - أو صاحبُ خَطِّ الرَّملِ، أو نحو هذا - شيئًا مما يقعُ في المستقبل، فَيَقَعَ على ما ظنّه؛ فيكونُ ذلك ظنًّا صادقًا، إذا كان عن مُوجِبٍ عاديٍّ يقتضي ذلك الظَّنَّ، وليس بِعِلمٍ."[1]

ترجمہ: "جو شخص ان چیزوں میں سے کسی ایک کے علم کا دعویٰ کرے، وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہوگا، الّا یہ کہ وہ اس (علم) کی نسبت کسی رسول کی طرف ایسے طریقے سے کرے، جو علمِ یقینی کا فائدہ دے، اور اب ایسے طریقے کا وجود متعذر بلکہ ممتنع ہے۔ البتہ ظن اور گمان کی حد تک بات ہو تو شریعت نے اس کے جواز اور عدمِ جواز سے کوئی تعرض نہیں کیا، پس یہ ممکن ہے کہ ایک نجومی —یا ریت پر لکھیر کھینچنے والا یا اس جیسا کوئی اور- مستقبل میں ہونے والے کسی واقعہ کا خیال باندھے اور اس کے گمان کے مطابق ہو جائے، اگر اس کی وجہ کوئی عام سبب ہو، جو اس گمان کا تقاضا کرتا ہوں تو اس صورت میں گمان سچا سمجھا جائے گا"۔

واضح رہے کہ علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ وغیرہ فقہائے کرام نے اس عبارت کو ذکر کرنے کے بعد یہ تفصیل ذکر فرمائی ہے کہ علم غیب کے یقینی علم کا دعویٰ کرنا کفر ہے جبکہ ظنی علم کا دعٰوی کفر تو نہیں ہے البتہ حرام و ممنوع ہے، لیکن بظاہر اس سے مراد یہی ہے کہ کسی معتاد ذریعے کے بغیر غیب دانی کا ظنی دعویٰ کرے۔

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ ایک فتویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

---

[1] المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم، كِتَابُ الإِيمَانِ، ج١ ص١٥٦.

"فَالْحق مَا قَالَه غير الْبَاجِيّ وَهُوَ الَّذِي عَلَيْهِ أَئِمَّتنَا على أَن من قَالَ ذَلِك مُعْتَقد التَّأْثِير الْكَوْكَب وَحده أَو مَعَ الله تَعَالَى كَافِر وَهَذَا مِمَّا لَا خلاف فِيهِ وَمن قَالَه مُعْتَقدًا أَن الْكَوْكَب جعله الله عَلامَة على كَذَا بِحَسب مَا اسْتَقر فِي الْعَادة فَلَيْسَ بِحرَام وعَلى هَذَا نَص الشَّافِعِي رَضِي الله عَنهُ فَقَالَ إِذا قَالَ مُطِرْنَا بنَوْء كَذَا يُرِيد فِي وَقت كَذَا فَهُوَ كَقَوْلِه مُطِرْنَا فِي شهر كَذَا وَهَذَا لَا يكون كفرا من مُسلم وَلَا حَرَامًا بِخِلَاف قَول أهل الشّرك لأَنهم يَعْتَقِدُونَ التَّأْثِير لَهُ-"[1]

ترجمہ: "حق یہ ہے کہ جو امام باجیؒ کے علاوہ دیگر حضرات نے ارشاد فرمایا اور جس پر ہمارے ائمہؒ قائم ہیں کہ جس نے یہ (غیب دانی کی) بات محض ستاروں کی تاثیر کا اعتقاد رکھ کر یا اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تاثیر کا عقیدہ رکھ کر کیا، وہ کافر ہے۔ نیز یہ ان مسائل میں سے ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں ۔اور جس نے اس عقیدے کے ساتھ کہی کہ اللہ تعالیٰ نے ستاروں کو اس بات کا علامت ٹھہرایا ہے اور یہ جاری شدہ عادت ہے لہذا اسے حرام نہیں کہا جاسکتا، امام شافعیؒ نے تصریح فرمائی ہے: کہ جب کوئی کہے کہ فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی اور مراد یہ ہو فلاں وقت میں بارش ہوئی، تو یہ ایسا ہے جیسے یہ کہے کہ فلاں مہینے میں بارش ہوئی، مسلمان سے ایسی بات نہ کفر ہوگا نہ حرام، لیکن اہلِ شرک کے لئے ایسی بات کا حکم یہ نہ ہوگا؛ اس لئے کہ وہ ستارے کی تاثیر کا عقیدہ رکھتے ہیں"۔

علامہ شامی رحمہ اللہ متعدد نقول ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

---

[1] الفتاوى الحديثية لابن حجر الهيتمي، ص201.

"فقد اتّضح لك ما قرّرناه مِن جواز الاطّلاع على بعض الأمور الغيبية بمعجزة أو كرامة أو أمارة وعلامة عادية بتقدير الله تعالى أمّا لو ادّعى ذلك مِن نفسه استقلالا أو بطريق إخبار الجنّ له بذلك زاعما علمهم الغيب أو بطريق الاستناد إلى تأثير الكواكب فهو كافر. وأمّا إذا أطلق وقال سيقع في اليوم الفلاني كذا وكذا فينبغي النّظر في حال القائل فإن كان مِن أهل الدّيانة والصّلاح والاستقامة يكون ذلك كرامة لأنّه لا يخبر بذلك إلّا عن صادق الإلهام.. وإن كان مِن أحاد النّاس فقد مرّ عن البزّازية مِن كتب الحنفية أنّه لو قال أعلم الأشياء المسروقة يكفر."[1]

ترجمہ:" معجزہ ،کرامت یاعام علامت کے ذریعے اللہ تعالٰی کے مقرر کردہ بعض امورِ غیبیہ پر اطلاع ممکن ہے،البتہ اگر کوئی ان (امورِ غیبیہ کی اطلاع) کا دعوی ذاتی کمال کی وجہ سے کرے یا یہ دعوی کرے کہ جنات مجھے خبر دیتے ہیں اور جنات کے متعلق غیب جاننے کا عقیدہ رکھے، یا اس کی نسبت ستاروں کی تاثیر کی طرف کرے تو وہ کافر ہے۔البتہ اگر مطلق کہے کہ فلاں دن میں ایسا ایسا ہوگا، تو کہنے والے کی حالت کو دیکھا جائے گا، پس اگر نیک ،دیندار اور صاحب استقامت آدمی ہو، تو اس کی یہ کرامت سمجھی جائے گی؛اس لئے کہ وہ یہ بات کسی سچے الہام کی بنیاد پر کرے گا۔۔۔اور اگر وہ عام لوگوں میں سے ہو، تو حنفیہ کی کتابوں میں بزازیہ کی یہ عبارت گزر چکی کہ اگر وہ کہے کہ میں چوری شدہ چیزوں کو جانتا ہوں، تو کافر ہوگا"۔

---

1 سلّ الحسام الهندي في نصرة سيدنا خالد النقشبندي، مجموعة رسائل ابن عابدين، ج2ص317.

عملیات کے سہارے مجرم کی شناخت کرنا

مسئلہ: عملیات سے وابستہ بعض کلمات واعمال ایسے بھی ہیں جو چوری وغیرہ جرائم کے وقت کام میں لائے جاتے ہیں اوران کے ذریعے اصل مجرم کی شناخت کی جاتی ہے۔اس کا شرعی حکم یہ ہے کہ جرم کے اثبات کے طریقے شریعت نے متعین فرمائے ہیں مثال کے طور پر مدعی کی طرف سے گواہ پیش ہو جائیں، جس پر کسی جرم کا دعویٰ کیا گیا ہے،وہ جرم کا اعتراف کرے، یا حلف دلانے کے باوجود وہ حلف اٹھانے سے انکار کرے جس کو فقہی اصطلاح میں "نکول" کہا جاتا ہے،ان جیسے شرعی ذرائع ہی سے کسی مجرم کی واقعی شناخت ہو سکتی ہے،ان کے بغیر کسی کو یقینی طور پر مجرم قرار دینا شرعا جائز نہیں ہے، لہٰذا اس مقصد کے لئے جو عملیات کئے جاتے ہیں ،وہ شرعا ممنوع ہیں اور محض اس کی بنیاد پر کسی کو جرم کا ذمہ دار ٹھہرانا،تاوان وصول کرنا بالکل ناجائز اور سخت گناہ کی بات ہے۔

مسئلہ: اس مقصد کے لئے جو امور انجام دئے جاتے ہیں،اگران میں سے کوئی عمل واقعۃ معقول و مجرب ہو تو اس کو زیادہ سے زیادہ ایک قرینے کی حیثیت دی جاسکتی ہے، لہٰذا ایسے شخص کو یقینی مجرم کہنا تو جائز نہیں ہے البتہ مزید تفتیش کے لئے ایسے عمل کو بنیاد بنایا جاسکتا ہے،تاہم چونکہ عام لوگوں سے اس بات کی توقع رکھنا کہ وہ ان دونوں باتوں میں عملی طور پر فرق کریں گے، بالکل بے جا ہے،اس لئے اس سے احتراز ہی کر لینا چاہئے، اس کے علاوہ بہت سے ایسے راستے موجود ہیں جن کے ذریعے سے مجرم تک رسائی حاصل کی جاسکتی ہے۔

حصول دنیا کے لئے عملیات کرنا

یعنی کوئی عمل اس لئے کرنا تاکہ دنیوی مال ومتاع حاصل ہو جائے۔ یہاں عملیات کے پیشہ اختیار کرنے کی بحث نہیں ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ عملی طور پر عملیات کے جو وسائل اور آلات اس لئے اختیار کئے جاتے ہیں کہ ان کے سہارے دنیا حاصل ہو۔ پھر دنیا کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں: کہیں سیم وزر کی شکل میں، بسا اوقات مال ومتاع کی صورت میں جبکہ کبھی عزت ودبدبہ اور منصب وعہدے کی روپ میں یہ نمودار ہوتی ہے۔ یہ سبھی چیزیں دنیا ہی کی مختلف شکلیں ہیں۔ان جیسے عملیات کے حکم میں یہ تفصیل ہے:

الف: اگر مقصود ناجائز ہو تو ایسے عملیات بھی ناجائز ہوں گے مثال کے طور پر کوئی منصب حاصل کرنے کی کوشش کرنا کہ لوگوں کے ساتھ غیر منصفانہ رویہ رکھے، کسی سے ناجائز حد تک انتقام لے، ناجائز طور پر مال ودولت کے خزانے جمع کرے، نامشروع جگہوں پر خرچ کرنے کے لئے مال حاصل کرنے کی کوشش کرنا، وغیرہ۔

ب: جس چیز کو مقصود بنا کر حاصل کیا جا رہا ہو، وہ خود ممنوع ہو، مثال کے طور پر کسی ناجائز منصب وعہدے کو حاصل کرنا، پرائز بانڈ جیسی ناجائز سکیموں میں "انعام" حاصل کرنے کے لئے تعویذ اور وظائف کرنا، جنات وہمزاد کے ذریعے کسی کا مال غیر مشروع طور پر حاصل کرنا، بلاوجہ کسی کے خفیہ رازوں اور پوشیدہ باتوں پر اطلاع یابی، وغیرہ۔

ج: یہ دونوں خرابیاں نہ ہوں، تو ایسی عملیات فی نفسہ جائز ہیں البتہ تعویذ وغیرہ جس نوعیت کے عملیات ہوں ،اس کے متعلقہ شرائط کا لحاظ رکھنا بہر حال ضروری ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

باب سوم:

وسائلِ عملیات

"مقاصد عملیات" سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کی خاطر لوگ عملیات اور اس سے وابستہ اعمال واسباب کام میں لاتے ہیں، ان مقاصد کے حصول کے لئے جو اسباب اختیار کئے جاتے ہیں انہی کو یہاں "وسائلِ عملیات" کے نام سے ذکر کیا جاتا ہے۔اس معنٰی میں عملیات کے دسیوں وسائل ہیں، چنانچہ عملیات کے ماہر تصور ہونے والے افراد اس کے لئے مختلف طریقے اختیار کرتے ہیں لیکن یہاں ان میں سے نمایاں اسباب وطرق کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

تعویذ: تعارف، حکم

"تعویذ" کا لفظ "عوذ" سے نکلا ہے، اس کا معنٰی ہے: پناہ ۔ لہٰذا تعویذ کا اصل لغوی معنٰی ہوا: کسی کو پناہ دینا۔ لیکن بعد میں یہ لفظ ان گنڈوں وغیرہ کے لئے استعمال ہونے لگا جو بیماری اور سحر وغیرہ پریشانیوں کو دور کرنے کے لئے لکھ کر یا پڑھ کر تیار کیا جاتا ہے[1] اور اب یہی عرفی معنٰی اس کا مشہور ہے اور تعویذ وغیرہ لفظ جب بولا جائے تو عموما اس کا یہی مفہوم مراد لیا جاتا ہے۔

تعویذ کا حکم یہ ہے کہ یہ فی نفسہ مباح کام ہے، پھر مقاصد اور طریقہ کار کے پیش نظر مندوب و مستحب بھی ہو سکتا ہے اور مذموم و ممنوع بھی۔ مذمت و ممانعت

---

[1] القاموس الوحید، ص ۱۱۴۰.

بھی بسا اوقات کراہت کی حد تک ہوتی ہے جبکہ کبھی حرمت بلکہ باعث شرک و کفر ہونے تک جا پہنچ جاتی ہے۔

تعویذ کے جائز ہونے کے دلائل

جہاں تک اس کے جائز ہونے کا حکم ہے تو:

الف: اس کی ایک اصل اور بنیادی دلیل وہ تمام روایات و نصوص ہیں جن سے دم یا تعویذ کی اجازت ثابت ہوتی ہے۔ کتب حدیث میں ایسی دسیوں روایات موجود ہیں جن میں سے سر فہرست حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ روایت ہے جس کو امام بخاری وغیرہ محدثین نے اپنی کتابوں میں درج فرمایا ہیں[1]۔ اس روایت کا حاصل یہ ہے کہ ایک سفر میں کچھ صحابہ کرام نے سورت فاتحہ کے ذریعہ بچھو کے کاٹے پر دم کیا اور اس پر طے کر کے اجرت بھی وصول کر لی اور حضور ﷺ نے اس کام پر نہ صرف یہ کہ سکوت اختیار فرمایا بلکہ ایک گونہ خوشی و تائید کا اظہار بھی فرمایا۔

اس روایت سے بالکل صاف ہو جاتا ہے کہ قرآن کریم کی آیات سے دم کرنا اور اس پر اجرت وصول کرنا جائز ہے، جب زبانی طور پر دم کرنے کا یہ حکم ہے تو لکھ کر تعویذ دینے کا بھی یہی حکم ہو گا کیونکہ زبانی دم کرنے اور لکھ کر تعویذ دینے میں کوئی ایسی وجہ فرق نہیں ہے جس کی بناء پر ایک کو مباح اور دوسرے کو ناجائز قرار دیا جا سکے۔

---

1 صحیح البخاری، باب فضل فاتحۃ الکتاب، ج٦ ص ١٨٧، رقم الحدیث ٥٠٠٧ .

ب: دوسری دلیل وہ نصوص بھی ہیں جن میں قرآن کریم کو شفاء قرار دیا گیا ہے، ان میں ایسی کوئی تخصیص موجود نہیں ہے کہ یہ صرف نظریاتی گمراہیوں اور روحانی و قلبی امراض واخلاق سے شفاء ہے، لہٰذا ایسی تمام نصوص اپنے اطلاق کی وجہ سے اعتقادی واخلاقی بیماریوں کے ساتھ ساتھ حسی اور جسمانی امراض کو بھی شامل ہوں گی اور ان میں ہر قسم مرض کے لئے قرآن کریم کو شفاء خیال کرنا ضروری ہے۔ اب علاج وتداوی کے باب میں کچھ یوں ہی اصل اباحت وجواز ہے اور ساتھ درج بالا روایت سے اس کی تائید وتصریح بھی ہو جاتی ہے کہ جس طرح قرآن کریم اخلاقی واعتقادی بیماریوں کی اصلاح وشفاء کا ذریعہ ہے یوں ہی بدنی بیماریوں سے صحت یابی کا بھی یہ ایک وسیلہ ہو سکتا ہے اور یہ بھی صراحت ہو گئی کہ جس طرح خود دم کر کے پڑھنا موجب شفاء ہو سکتا ہے یوں ہی دوسروں پر دم کرنے کرانے سے بھی یہ فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔

دم و تعویذ کو بالکل بے فائدہ خیال کرنا

مسئلہ: بہت سے لوگ دم، تعویذ اور جھاڑ پھونک کو بالکل ہی التفات نہیں کرتے اور سمجھتے ہیں کہ ان چیزوں کا کوئی فائدہ نہیں ہے، اگر بدن میں کوئی واقعی بیماری یا بے اعتدالی ہے تو دوائی کے استعمال کرنے سے اس میں فرق کا آجانا بعید نہیں کیونکہ دوائی کے اجزائے ترکیبی کی خاصیت ہی یہ ہے کہ وہ متعلقہ بیماری وشکایت کو دور کرتے ہیں لیکن دم و تعویذ میں تو ایسا کچھ محسوس نہیں ہوتا، اس لئے یہ چیزیں بے فائدہ اور بے بنیاد ہیں جس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص محض عملی طور پر دم اور تعویذ کی جانب التفات نہ کرے تو کچھ زیادہ مضر نہیں ہے گو بعض صورتوں میں اس کی وجہ سے سنت کا چھوڑنا لازم آسکتا ہے، لیکن اعتقادی اور نظریاتی لحاظ سے اس طرح سمجھنا بالکل غلط اور خطرناک ہے۔ان جیسی غلط فہمیوں کی بنیادی وجہ اور اصل واساس یہ ہوتا ہے کہ کچھ لوگ انسانی علم کے ذرائع کو آنکھوں کے مشاہدات یا سائنسی تحقیقات کے ساتھ محدود کر لیتے ہیں، لہٰذا جو چیز ان ذرائع سے معلوم نہ ہو جائے،اس کو وہ ثابت ہی تصور نہیں کرتے۔حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ انسانی علم کا سرچشمہ صرف آنکھوں کا مشاہدہ ہی نہیں ہے بلکہ تین بنیادی ذرائع ہیں: ۱: عقل سلیم۔ ۲: حواس خمسہ۔ ۳: خبر صادق۔

اب دم و تعویذ کا مفید ہونا آخری دونوں ذرائع سے بالکل واضح ہے، چنانچہ تجربہ ہے کہ بہت سی مرتبہ متعدد بیماریاں دم و تعویذ کے ذریعے سے ختم ہو جاتی ہیں اور مریض ان کے درد و تکلیف سے افاقہ محسوس کرنے لگتا ہے،اور یہ تجربہ ایک دو یا دس بیس افراد کا ہے نہ ہی ایک آدھ مرتبہ کی بات ہے جس کو مختلف بنیادوں پر مسترد کر دیا جائے بلکہ بلا مبالغہ ہزاروں افراد نے ہزاروں بار اس کو آزما کر دیکھا ہے۔

خبر صادق اور تعویذ کی افادیت

خبر صادق سے ثابت ہونے کی تفصیل یہ ہے کہ:

الف: خود حضور نبی اکرم ﷺ سے متعدد جگہوں پر دم کرنا ثابت ہے۔

ب: متعدد بار حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دم و تعویذ کرنے کا علم بھی ہوا لیکن پھر اس کی ممانعت نہیں فرمائی بلکہ ایک گونہ تائید سی

فرمائی، چنانچہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کا قصہ صحیحِ بخاری وغیرہ کتب حدیث میں مذکور ہے۔

۳: سلف صالحین کے ہاں بھی ایک حد تک اس کا رواج رہا ہے، عملی رواج اگر عام نہ بھی ہو تو بھی اعتقادی و نظریاتی لحاظ سے ان چیزوں کو فی نفسہ جائز ہی سمجھا جاتا رہا ہے اور بہت سے جگہوں میں ضرورت کے مواقع پر اس کا عملی طور پر دستور بھی تھا آثار واخبار کی کتابوں میں اس کی دسیوں مثالیں موجود ہیں۔

۴: متعدد نصوص میں قرآن کریم کو شفاء قرار دیا گیا ہے، مثال کے طور پر سورۃ یونس میں ہے:

{يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ} [يونس: ٥٧]

ترجمہ: "اے لوگو تمہارے رب سے نصیحت اور دلوں کے روگ کی شفا تمہارے پاس آئی ہے اور ایمان داروں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔"

سورۃ اسراء میں ہے:

{ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ } [الإسراء: ٨٢]

ترجمہ: "اور ہم قرآن میں ایسی چیزیں نازل کرتے ہیں کہ وہ ایمانداروں کے حق میں شفا اور رحمت ہیں۔"

ان جیسے متعدد نصوص میں قرآن کریم کو شفاء قرار دیا گیا ہے، اس کا شفاء ہونا صرف ایمانی واخلاقی بیماریوں کے ساتھ خاص ہے یا حسی اور مادی امراض سے بھی شفاء کا ذریعہ ہے؟ اس میں جمہور اہلِ علم کا موقف یہی ہے کہ دونوں قسم کی

بیماریوں سے شفاء یابی کا وسیلہ ہے، جمہور اہل علم کا یہ موقف اصولی لحاظ سے بھی درست اور قوی تر معلوم ہوتا ہے اور نصوص وتجربات سے بھی اس کی پوری تائید ہوتی ہے[1]۔

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فالقرآن هو الشفاء التام من جميع الأدواء القلبية والبدنية، وأدواء الدنيا والآخرة، وما كل أحد يؤهل ولا يوفق للاستشفاء بـه، وإذا أحسن العليل التداوي به، ووضعه على دائه بصدق وإيمان، وقبول تام، واعتقاد جازم، واستيفاء شروطه، لم يقاومه الداء أبـدا. وكيف تقـاوم كـلام رب الأرض والسـماء الـذي لـو نـزل عـلى الجبـال، لصدعها، أو على الأرض، لقطعها."[٢]

ترجمہ: قرآن دلی، بدنی، دنیاوی اور اخروی تمام بیماریوں کے لیے کامل شفاہے اور ہر ایک کو اس سے شفا حاصل کرنے کی توفیق نہیں ملتی نہ ہر ایک میں اس کی اہلیت ہوتی ہے۔ جب بیمار آدمی اس سے صدق دل ایمان، پختہ عقیدہ اور پوری قبولیت کے ساتھ علاج کرے تو بیماری اس پر ہمیشہ باقی نہیں رہے گی، اور کس طرح باقی رہے کیونکہ اگر

---

[1] اس کی پوری تفصیل کے لئے شیخ عبد اللہ غماری رحمہ اللہ کا رسالہ "کمال الایمان فی التداوی بالقرآن" ملاحظہ فرمائیں، جہاں مؤلف مرحوم نے اس پر موضوع پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے، موضوع سے متعلق روایات کو بھی جمع فرمایا ہے۔ اس رسالے کے لکھنے کا باعث یہ بنا تھا کہ جامع ازہر کے سابقہ شیخ محمود شلتوت نے جس طرح دیگر مختلف خطرناک شاذ باتوں کو اختیار کیا تھا، یوں ہی اس نے ایک موقع پر اس بات کی بھی تردید کی تھی کہ قرآن کریم حسی مسائل ومادی امراض کے لئے باعث شفاء ہے، اس کی تردید کے لئے مؤلف مرحوم نے یہ رسالہ تصنیف فرمایا تھا۔

[2] الطب النبوي لابن القيم، حرف القاف ص:266

اس ذات کا کلام ہے جو زمین وآسمان کا مالک ہے جس کو وہ اگر پہاڑ یا زمین پر نازل کیا کرتا
توان کو ریزہ ریزہ اور ٹکڑے ٹکڑے کرتا۔

عقل سلیم اور تعویذ کی افادیت

عقل سلیم بھی اس بات میں کوئی بعد محسوس نہیں کرتی کہ بعض الفاظ وکلمات میں کوئی خاصیت ایسی ہو جس سے مخاطب کی تکلیف ختم ہو جائے، وجہ اس کی یہ ہے کہ تکلیف کی دوری یا مرض کے ازالہ کے لئے کھانے پینے کی چیز یا کسی محسوس چیز کا بدن میں داخل کرنا ضروری نہیں ہے، اگر کوئی یہ خیال کرتا بھی ہے تو اس کی بنیاد استقراء ناقص پر ہے جس سے یقین حاصل نہیں ہوتا، جس طرح بعض الفاظ، تعبیرات اور اسالیب میں غیر معمولی تاثیر ہوتا ہے جو مخاطب کے خیالات وجذبات میں تحریک واضطراب پیدا کرتا ہے، اس کی حالت میں انقلاب اٹھنے کا ذریعہ ثابت ہوتا ہے، تو مسنون کلمات واوراد یا دم و تعویذ میں ایسا کیوں ممکن نہیں ہے! خاص کر جب خبر صادق بھی بار بار اس کی خبر دیدے اور تجربات ومشاہدات سے بھی اس کی پوری تائید ہو جائے!

تعویذ کے جائز ہونے کی چار ضروری شرائط

لیکن دم ہو یا تعویذ، دونوں کے جائز ہونے کے لیے چند شرائط ہیں: اگر ان شرائط کی پابندی کی جائے تو اس کو جائز کہا جا سکتا ہے ورنہ جہاں کوئی شرط مفقود ہو تو تعویذ جائز نہ ہوگا، وہ شرائط درج ذیل ہیں:

الف: تعویذ کرنے کرانے کا مقصود جائز ہو، لہٰذا اگر کسی کو بلا وجہ تکلیف ونقصان پہنچانے کے لئے تعویذ کیا جائے یا میاں بیوی وغیرہ مسلمانوں کے درمیان نفرت

وعداوت پیدا کرنے کے لئے کوئی تعویذ کیا جائے تو وہ ناجائز اور گناہ ہے۔اس شرط کے لگانے کی وجہ یہ ہے کہ تعویذ بذات خود تو مقصود نہیں ہوتا بلکہ دیگر اہداف ومقاصد کو بروئے کار لانے کا ایک وسیلہ اور ذریعہ ہے اور جو چیز ناجائز ہو،اس کے وسائل وذرائع بھی ناجائز ہی ہوتے ہیں،اس لئے ایسا تعویذ کرنا بھی ناجائز ہے اور کرانا بھی۔

ب:دم و تعویذ کو مستقل اور بذات خود مؤثر نہ سمجھا جائے بلکہ ایک ذریعہ اور وسیلہ ہی کی حیثیت سے اس کو اختیار کیا جائے،باقی مرض دور کرنے یا مشکل سے چھٹکارا دینے والا اللہ تعالیٰ کی ذات ستودہ صفات کو ہی سمجھا جائے۔

ج: تعویذ وگنڈے میں کوئی ناجائز بات شامل نہ کی جائے،مثلا شیاطین سے استمداد،اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو مشکل کشا اور دافع بلا ومصیبت سمجھنا،وغیرہ۔

د:جو کلمات لکھے جائیں،وہ قرآن وحدیث کے الفاظ ہوں یا قرآن وحدیث میں اگر مذکور نہ بھی ہوں لیکن بہر حال تمام الفاظ کے معانی معلوم ہوں اور اس میں کوئی ناجائز یا خلاف شرع مفہوم موجود نہ ہو۔یہ تین شرائط تقریبا تمام فقہائے کرام لگاتے ہیں اور ان کے ضروری ہونے کی وجہ بھی ظاہر ہے۔حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

"وقد أجمع العلماء على جواز الرقى عند اجتماع ثلاثة شروط أن يكون بكلام الله تعالى أو بأسمائه وصفاته وباللسان العربي أو بما

یعرف معناه من غیره وأن یعتقد أن الرقیة لا تؤثر بذاتها بل بـذات

الله تعالی".[1]

ترجمہ: "دم میں اگر تین شرائط بیک وقت پائی جائیں، تو اس کے جواز پر اہلِ علم کا اتفاق ہے: دم کے کلمات اللہ تعالیٰ کا کلام ہو، یا اس کے اسماء وصفات ہوں اور عربی زبان میں یا کوئی اور ایسے کلمات ہوں جن کا معنیٰ معلوم ومتمیّز ہو، اور دم کے ساتھ یہ عقیدہ ہو کہ دم میں اپنا کوئی دَم (تاثیر) نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ اس کے اندر اثر ڈالتا ہے"۔

اس عبارت میں تعویذ کے جائز ہونے کی ایک ضروری قید یہ لگائی گئی ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا کلام یا اسی کے اسماء وصفات لکھی جائیں۔ بہتر تو یہی ہے کہ قرآن کریم کی آیات یا اسمائے حسنیٰ کے ذریعہ تعویذ کی جائے لیکن جائز ہونے کا یہ حکم کچھ اسی میں منحصر نہیں ہے بلکہ اس کی حیثیت ایک اعلیٰ نمونہ اور بہتر مثال کی ہے، یہی وجہ ہے کہ اس میں حضور ﷺ اور آپ کے ادعیہ ماثورہ کا بھی ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ اصل مقصود یہ ہے کہ کوئی ناجائز عنصر شامل نہ ہو، چنانچہ اگر ادعیہ ماثورہ تعویذ میں لکھی جائیں یا استمداد وغیرہ کا کوئی ناجائز پہلو شامل نہ ہو اور حضور ﷺ کا نام نامی بطور تبرک نقش کیا جائے تو یہ بھی درست ہے۔

"جامع صغیر" کی شرح "سراج منیر" میں ہے:

"وقال القرطبي الرقیة ثلاثة أقسـام أحـدها مـا کـان یرقی بـه في الجاهلیة مما لا یعقل معناه فیجب اجتنابه لـئلا یکـون فیـه شرك أو یؤدّی إلی شرك الثاني ما کان بکلام الله أو باسمائه فیجوز فـإن کـان

---

[1] فتح الباري لابن حجر، باب الرقی: ج ١٠ ص ١٩٥.

مأثور فيستحب ومن المأثور بسم الله أرقيك من كل شيء يؤذيك من شر كل نفس أو عين حاسد الله يشفيك ومنه أيضاً بسم الله أرقيك والله يشفيك من كل ما يأتيك من شر النفاثات في العقد ومن شر حاسد إذا حسد الثالثة ما كان بغير أسماء الله من ملك أو صالح أو معظم من المخلوقات كالعرش فهذا ليس من الواجب اجتنابه ولا من المشروع الذي يتضمن الالتجاء إلى الله والتبرك بأسمائه فيكون تركه أولى إلا أن يتضمن تعظيم المرقى به فينبغي أن يجتنب كالحلف بغير الله".[١]

ترجمہ: "علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ دم کی تین صورتیں ہیں: ایک صورت وہ ہے جس کے ذریعے زمانہ جاہلیت میں دم ہوتا تھا، جس کا معنٰی معلوم نہیں تھا، اس سے تو اجتناب ضروری ہے کیونکہ ممکن ہے کہ اس میں شرکیہ کلمات ہوں یا شرک تو نہ ہو مگر شرک کی طرف لے جانے والا ہو۔ دوسری قسم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے کلام یا اسماء کے ذریعے ہو، یہ جائز ہے، اگر مسنون کلمات ہوں تو مستحب ہے، جیسے یہ کلمات مسنون ہیں: [بسم اللہ أرقیک واللہ یشفیک من کل ما یأتیک من شر النفاثات في العقد ومن شر حاسد إذا حسد] تیسری قسم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں کے علاوہ کسی فرشتے یا نیک آدمی یا مخلوق میں کسی مقدّس مخلوق، عرش وغیرہ کے ذریعے ہو، تو اس سے اجتناب واجب اور ضروری تو نہیں، مگر ایسا جائز بھی نہیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی ہوں یا اللہ تعالیٰ کے ناموں سے برکت حاصل ہو؛ چنانچہ بہتر یہ ہے کہ ان چیزوں کے ذریعے دم نہ کرے، لیکن اگر اس (تیری قسم) میں اس فرشتے یا بزرگ

---

[١] السراج المنير شرح الجامع الصغير في حديث البشير النذير: ج١ ص ٢٠٠.

یااس مخلوق کی (غیر ضروری) تعظیم پائی جاتی ہو، تو پھر اس سے اجتناب کرنا ضروری ہے، جس طرح غیر اللہ کی قسم سے اجتناب ضروری ہے"۔

علامہ قرطبیؒ کی یہی عبارت تائید و تقریر کے طور پر علامہ مناوی، شوکانی اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہم اللہ وغیرہ محدثین نے بھی نقل فرمائی ہیں۔ حافظ صاحب رحمہ اللہ اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

"وقال الربيع سألت الشافعي عن الرقية فقال لا بأس أن يرقى بكتاب الله وما يعرف من ذكر الله قلت أيرقي أهل الكتاب المسلمين قال نعم إذا رقوا بما يعرف من كتاب الله وبذكر الله "اه[1]

ترجمہ: "حضرت ربیع نے امام شافعیؒ سے دم کے متعلق پوچھا، تو انہوں نے فرمایا: کہ اگر دم اللہ تعالیٰ کی کتاب یاذکر کے معلوم کلمات کے ذریعے کیا جائے، تو شرعا اس میں کوئی حرج نہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ کیا اہلِ کتاب مسلمانوں کو دم کر سکتے ہیں؟ فرمایا: ہاں، اگر کتاب اللہ یا ذِکر اللہ کے معلوم کلمات کے ذریعے دم کریں"۔

مزید تین ضروری شرائط

یہ تو وہ بنیادی شرائط ہیں جن کا تعلق خود تعویذ کے ساتھ ہے۔ بعد میں جب تعویذ نے باقاعدہ ایک مشغلہ اور پیشہ کی صورت اختیار کی تو اب اس میں درج ذیل شرائط کا لحاظ رکھنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے:

---

[1] فتح الباري لابن حجر، كتاب الطب ، قوله باب الرقى،ج١٠ ص ١٩٧.

۱۔ تعویذ یا دم پر اگر اجرت لینی مد نظر ہو، تو ضروری ہے کہ کام شروع کرنے سے پہلے باہمی اتفاق سے اس کی مقدار متعین کی جائے۔

۲۔ جھوٹ، غلط بیانی اور دھوکہ دہی کی تمام صورتوں سے بچنا ضروری ہے، مثال کے طور پر ایک شخص واقعی سحر و آسیب کا شکار نہیں ہے تو اس کو خواہ مخواہ مریض خیال نہ کیا جائے۔

۳۔ شرعی پردہ کا پاس ولحاظ رکھنا لازم ہے، لہٰذا مرد عامل کے لئے عام حالات میں نامحرم عورت کو دیکھنا، چھونا یا غیر ضروری گفتگو کرنا درست نہیں ہے اور خلوت اختیار کرنا تو کسی حال میں جائز نہیں ہے۔

دم و تعویذ کے سلسلے میں کچھ رائج کوتاہیاں

یہاں تک کی تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ دم اور تعویذ، دونوں فی نفسہ مباح کام ہیں اور یہ جواز بہر صورت نہیں ہے بلکہ چند شرائط کے ساتھ مشروط ہے جن کی تفصیل اوپر ذکر کی گئی ہے۔ لیکن دم اور تعویذ کا جب رواج عام شروع ہوا تو ساتھ ساتھ اس میں مختلف نوعیت کی خامیاں بھی شامل ہوتی گئیں، جن میں سے چند نمایاں خامیاں اجمال کے ساتھ یہاں ذکر کی جاتی ہیں تاکہ اس کی اصلاح کی جائے۔

۱: دم اور تعویذ زیادہ سے زیادہ ایک جائز اور اگر حسن نیت شامل ہو تو مندوب و مستحب کام ہے، لیکن بہت سی جگہ اس کا حد سے زیادہ اہتمام کیا جاتا ہے۔

۲: جائز و ناجائز کی تمیز نہیں کی جاتی اور جن شرائط کے ساتھ مشروط طور پر اس کی اجازت دی جاتی ہے، ان کا اچھی طرح لحاظ نہیں رکھا جاتا۔

۳: تعویذ کی حیثیت ایک مباح ذریعہ کی ہے جو اگرچہ جائز ہے لیکن اس سے زیادہ اہم اور مطلوب وسیلہ "دعاء" ہے، اسی طرح خلوص نیت کے ساتھ صدقہ دینا بھی مصائب ٹلنے کا مناسب، منصوص اور مجرب ذریعہ ہے، لیکن عام طور پر ان ذرائع کو اختیار کرنے کا ذرا بھرا اہتمام نہیں رکھا جاتا بلکہ تعویذ ہی اکتفاء کی جاتی ہے۔

۴: دم اور تعویذ ایک طریقہ علاج ہے لیکن اس کو اہم دینی منصب خیال کیا جاتا ہے بلکہ بسا اوقات تو مختلف افراد و اعمال کے دینی واچھے ہونے کا مدار اسی پر رکھا جاتا ہے چنانچہ جس شخص کی تعویذ سے زیادہ سے زیادہ مسائل نمٹ جاتے ہوں ان کو زیادہ دین دار اور اللہ تعالیٰ کا مقرب سمجھا جاتا ہے، اسی طرح جو دم و تعویذ زیادہ سے زیادہ نتیجہ خیز ظاہر ہوتا ہے، اسی کو زیادہ اہم، مقدم اور دین کے ساتھ ہم آہنگ تصور کیا جاتا ہے اگرچہ اس میں ان شرائط کی بھی رعایت نہ رکھی گئی ہو جن کے بغیر تعویذ و دم کی شرعا اجازت ہی نہیں دی جاسکتی۔

۵: دم اور تعویذ کے مؤثر ہونے اور نہ ہونے کو قرآن، دین یا اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، چنانچہ اگر قرآن کریم کی کوئی آیت تعویذ میں لکھ کر دیدی جائے اور پھر مطلوبہ کام بھی نہ ہو جائے تو اس کمی کو قرآن کی طرف یا دین اسلام کی طرف یا (اللہ معاف فرمائیں) بعض اوقات براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف ہی منسوب کیا جاتا ہے اور اس پر غیر شرعی تعویذات کو یا نا مشروع لوگوں کی تعویذات کو ترجیح دیدی جاتی ہے۔

۶: دم کرنے والوں اور تعویذ دینے والوں میں جو متعدد شرعی کوتاہیاں در آئی ہیں، ان میں ایک یہ بھی ہے کہ مکمل یقین دہانی اور گارنٹی کے ساتھ تعویذ دیتے ہیں اور ایسے ہی جزم ویقین کے ساتھ دم کرتے ہیں۔

۷: غیر ضروری شرائط لگائے جاتے ہیں اور ایسی ایسی امور کا اہتمام دکھایا جاتا ہے جو شرعا تعویذ جائز ہونے کے لئے ضروری ہے اور نہ تجربہ کے لحاظ سے وہ ضروری ہیں، مثال کے طور پر تعویذ کو کسی خاص نوعیت یا رنگ کپڑے میں بند کرنا، خاص قسم کے مرغے کو ذبح کرنا۔

تعویذ کی مختلف صورتیں اور ان کے احکام

تعویذ کی مختلف صورتیں رائج ہیں، مثال کے طور پر:

۱۔ کوئی آیت یا دعاء کاغذ وغیرہ پر لکھ کر کپڑے میں بند کر کے گلے یا ہاتھ کے ساتھ باندھا جائے۔

۲۔ برتن وغیرہ پر آیت یا دعاء لکھ دی جائے اور اس پر پانی ڈال کر مریض کو پلایا جائے۔

۳۔ تعویذ کے عام اور وسیع مفہوم میں خود دم کرنا بھی شامل ہے، لہٰذا متاثر شخص کو دم کیا جائے یا کھانے پینے کی چیز پر دم کیا جائے اور وہ مریض کو کھلایا پلایا جائے تو یہ بھی تعویذ ہی کی ایک صورت ہے۔

اور یہ سب صورتیں شرعا مباح ہیں جبکہ ان بنیادی شرائط کی رعایت رکھی جائے جو پہلے ذکر کی جاچکی ہے۔ سننِ ابنِ ماجہ میں ہے:

"عن عائشة: أن النبي - صلى الله عليه وسلم - كان ينفث في الرقية... عن عائشة: أن النبي - صلى الله عليه وسلم - كان إذا اشتكى يقرأ على نفسه المعوذات وينفث، فلما اشتد وجعه كنت أقرأ عليه، وأمسح عليه بيده، رجاء بركتها".[1]

ترجمہ: "حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دم کرتے وقت پھونکتے تھے نیز فرماتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب کوئی تکلیف ہوتی، تو اپنے اوپر معوذات (آخری سورتیں) پڑھتے اور اپنے اوپر پھونکتے، اور جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکلیف بڑھ گئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دم کے کلمات پڑھتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ مبارک کو ان کی برکت کی امید پر آپ کے بدن پر پھیرتی تھی"۔

تعویذ کی ممانعت سے متعلق نصوص

متعدد روایات میں تعویذ، گنڈوں کی سخت مذمت اور ممانعت بھی وارد ہوئی ہے، یہاں نمونہ کے طور پر چند روایات نقل کی جاتی ہیں:

"سنن ابی داؤد" میں ہے:

"عن زينبَ امرأةِ عبدِ الله عن عبد الله قال: سمعتُ رسولَ الله -صلَّى الله عليه وسلم- يقولُ: "إنَّ الرُّقَى والتَّمائِمَ والتِّوَلَةَ شِرْكٌ"".[2]

---

[1] سنن ابن ماجه ت الأرنؤوط، أبواب الطب ، باب النفث في الرقية، ج٤ ص ٥٥٤ ،رقم الحديث ٣٥٢٩.

[2] سنن أبي داود ت الأرنؤوط: باب تعليق التمائم،ج٦ ص ٣١ ،رقم الحديث ٣٨٨٣.

ترجمہ:"حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ کی بیوی حضرت زینبؓ اپنے شوہر سے آپ ﷺ کا یہ ارشاد نقل فرماتی ہے کہ: دم ، تعویذاور سحر کے ذریعے بیوی کا شوہر کو محبوب بنانا تینوں شرک ہیں"۔

اسی باب میں یہ حدیث بھی منقول ہے:

"عن عِمرانَ بنِ حُصين، عن النبيِّ - صلَّى الله عليه وسلم - قال: إلا رُقْيَةَ إلا مِنْ عَيْنٍ أو حُمَةٍ".[1]

ترجمہ:"حضرت عمران بن حصینؓ سے آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی نقل ہے کہ نظرِ بد اور بخار کے دم کے کوئی علاوہ کوئی دم درست نہیں"۔

امام بیہقی رحمہ اللہ اپنی سند کے ساتھ نقل فرماتے ہیں:

"عن عقبة بن عامر الجهني رضي الله عنه يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: " من علق تميمة فلا أتم الله له ومن علق ودعة فلا ودع الله له".[2]

ترجمہ:"حضرت عقبہ بن عامر جہنیؓ سے آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی نقل ہے کہ:"جو شخص تعویذ لٹکائے، اللہ تعالیٰ اس کی مراد پوری نہ کرے اور جو پتھر لٹکائے، اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت نہ فرمائے"۔

پہلی روایت میں رقی، تمائم اور تولہ، تینوں کو شرک فرمایا گیا ہے، دوسری حدیث میں رقیہ کو صرف دو موقع کے لئے متعین کیا گیا ہے کہ صرف نظر بد اور بخار

---

[1] سنن أبي داود ت الأرنؤوط، ج٦ ص ٣٢، رقم الحديث ٣٨٨٤.

[2] السنن الكبرى للبيهقي: باب التمائم، ج ٩ ص ٥٨٩، رقم الحديث ١٩٦٠٥.

سے بچاؤ ہی کے لئے تعویذ ہو سکتی ہے جبکہ تیسری روایت میں تعویذ لٹکانے پر سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا گیا ہے اور ایسا کرنے والے کے لئے بددعاء فرمائی گئی ہے کہ جو شخص تعویذ لٹکائے، اللہ تعالیٰ اس کی مراد پوری نہ کرے۔

روایات سے استدلال کی غلطی

یہ اور ان جیسی بعض دیگر روایات واقوال کی وجہ سے بعض لوگ مطلق تعویذ ہی کی مذمت کرتے ہیں اور کسی بھی قسم کی تعویذ کو وہ جائز نہیں قرار دیتے۔ لیکن یہ موقف بالکل غلط ہے، چنانچہ موضوع سے متعلق تمام ذخیرہ حدیث پر غور کیا جائے اور اس سے متعلق امت کے علمی و عملی تعامل کو سامنے رکھا جائے تو یہ بات بالکل کھل کر صاف ہو جاتی ہے کہ ان روایات میں ہر تعویذ کی مذمت یا ممانعت مقصود نہیں ہے، چنانچہ:

۱۔ خود "سنن ابی داؤد" کی درج بالا دونوں روایات کو دیکھا جائے، تو اس تقدیر پر واضح تصادم نظر آتا ہے کیونکہ پہلی روایت میں ہر قسم کی رقیہ و تعویذ کو شرک قرار دیا گیا ہے جبکہ دوسری روایت میں نظرِ بد اور بخار سے بچاؤ والی تعویذ کا استثناء فرمایا گیا ہے۔اب اگر مذمت والی روایت سے ہر قسم کی تعویذ مراد لی جائے تو ان دو جگہوں پر کیونکر شرک کی اجازت دی گئی ہے!

۲۔ حضور نبی کریم ﷺ کا اپنا عمل مبارک اس کے خلاف ہے، چنانچہ متعدد جگہوں پر آپ ﷺ سے رقیہ ثابت ہے بلکہ رقیہ کی بعض صورتیں مستقل سنت کا حصہ رہی ہیں، چنانچہ اسی سنن ابی داؤد ہی میں ہے:

"عن عائشة: أن النبي - صلى الله عليه وسلم - كان ينفث في الرقية".[1]

ترجمہ:"حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ دم کرتے وقت پھونکتے تھے"۔

اس کے بعد دوسری روایت نقل فرمائی گئی ہے:

"عن عائشة: أن النبي - صلى الله عليه وسلم - كان إذا اشتكى يقرأ على نفسه المعوذات وينفث، فلما اشتد وجعه كنت أقرأ عليه، وأمسح عليه بيده، رجاء بركتها".[2]

ترجمہ:"حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ دم کرتے وقت پھونکتے تھے نیز فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کو جب کوئی تکلیف ہوتی، تو اپنے اوپر معوذات (آخری سورتیں) پڑھتے اور اپنے اوپر پھونکتے، اور جس وقت آپ ﷺ کی تکلیف بڑھ گئی، تو آپ ﷺ پر دم کے کلمات پڑھتی تھی اور آپ ﷺ کے ہاتھ مبارک کو ان کی برکت کی امید پر آپ کے بدن اطہر پر پھیراتی تھی"۔

یہ دونوں صورتیں عرفی اصطلاحی لحاظ سے تعویذ نہ سہی، لیکن رقیہ میں یقینا داخل ہے، دوسری طرف اس کو مستقل سنت کی حیثیت حاصل ہے۔

۳۔ متعدد صحیح روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے بعض مواقع میں اس کی ترغیب بھی دی ہے، چنانچہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے "باب الرقی" قائم

---

[1] سنن ابن ماجه ت الأرنؤوط: باب النفث في الرقية، ج٤ص ٥٥٤،رقم الحديث ٣٥٢٨.

[2] سنن ابن ماجه ت الأرنؤوط: باب النفث في الرقية، ج4ص554، رقم الحديث ٣٥٢٩.

کر کے اس کے متعلق دو روایات نقل فرمائی ہے،ایک میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا یہودی عورت سے اللہ کی کتاب کے مطابق رقیہ کرانے کا ذکر ہے اور دوسری روایت میں خود حضور نبی اکرم ﷺ کے اس جیسے ایک ترغیبی عمل کا ذکر ہے۔"موطا"میں ہے:

"أخبرنا مالك، أخبرنا يحيى بن سعيد، أخبرتني عمرة، أن أبا بكر دخل على عائشة رضي الله عنهما وهي تشتكي، ويهودية ترقيها، فقال: «ارقيها بكتاب الله" .[١]

ترجمہ:" حضرت ابو بکرؓ حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لائے وہ بیمار تھی اور ایک یہودی عورت ان کو دم کر رہی تھی، حضرت ابو بکرؓ نے یہودی عورت فرمایا: اس کو اللہ کی کتاب کے ذریعے دم کرو"۔

اسی کے ساتھ دوسری روایت یہ ہے:

"أخبرنا مالك، أخبرنا يحيى بن سعيد، أن سليمان بن يسار أخبره، أن عروة بن الزبير أخبره: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم دخل بيت أم سلمة وفي البيت صبي يبكي ، فذكروا أن به العين ، فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: أفلا تسترقون له من العين؟."[٢]

١١٦التعليق الممجد على موطأ محمد باب: الرقی ،ج3ص382اس کے بعد امام محمد فرماتے ہیں :قال مُحَمَّد: وبهذا نأخذ، لا بأس بالرقى بما كان في القرآن، وما كان من ذكر الله، فأما ما كان لا يعرف من كلام، فلا ينبغي أن يرقى به.

[2]التعليق الممجد على موطا محمد باب: الرقی، ج3ص382.

ترجمہ: "حضرت عروہ بن زبیرؓ سے منقول ہے کہ: رسول اللہ ﷺ حضرت اُم سلمہؓ کے گھر میں داخل ہوئے اور گھر میں ایک بچہ رو رہا تھا، انہوں نے عرض کیا کہ اس کو نظر بد لگی ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تم لوگ اس کے لئے نظرِ بد کے دم کا انتظام نہیں کرتے؟"

حضور ﷺ کا یہ ارشاد "أفلا تسترقون" استفہام تقریری کے طور پر ہے یعنی مخاطب لوگوں کو مشورہ دیا جارہا ہے کہ وہ نظرِ بد کے اثرات سے بچاؤ کی خاطر اس بچے کے لئے رقیہ کا انتظام کریں۔ سننِ ابی داؤد میں ہے:

"عن الشفاء بنت عبد الله، قالت: دخل علي رسول الله صلى الله عليه وسلم وأنا عند حفصة فقال لي: «ألا تعلمين هذه رقية النملة كما علمتيها الكتابة"»[1]

ترجمہ: "حضرت شفا بنت عبداللہؓ سے روایت ہے کہ جب میں حضرتِ حفصہؓ کے پاس تھی رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لا کر مجھ سے فرمانے لگے" تم اسے چھیونٹی کا دم کیوں نہیں سکھاتی، جس طرح کہ آپ نے اس کو لکھائی سکھائی ہے؟!"

۴۔ان روایات میں دم و تعویذ کو ناجائز، ممنوع یا حرام کہنے کی بجائے واضح طور پر "شرک" قرار دیا گیا ہے، اگر غور کیا جائے تو اس لفظ کے انتخاب سے بھی یہ معمہ حل ہو جاتا ہے کیونکہ ناجائز اور حرام کاموں کی فہرست میں بہت سی چیزیں ایسی بھی ہیں جن کی حقیقی علت ہمیں معلوم نہیں ہے اور محض کسی نص کی وجہ سے ہم ان کو حرام کاموں میں سے گردانتے ہیں، ان احکام کو اصولی اصطلاح میں "امور تعبدیہ

---

[1] سنن أبي داود، كتاب الطب، باب ما جاء في الرقى، ج٤ ص ١١ رقم الحديث ٣٨٨٧ .

"یا"احکام غیر معقولۃ المعنٰی" کہا جاتا ہے۔ لیکن جہاں تک شرک کا معاملہ ہے تو شریعت میں اس کا ایک خاص مفہوم متعین ہے اور جو امور بھی شرعی نقطہ نظر سے شرک قرار دیئے جاتے ہیں، ان سب میں وہ مفہوم موجود ہوتا ہے۔ وہ خاص مفہوم جب تک کسی کام میں متحقق نہ ہو جائے تو وہ کتنا ہی ناجائز، برا اور مذموم کیوں نہ ہو لیکن بہر حال اس کو حقیقی معنٰی میں شرک قرار دینا غلط ہے۔ جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ تعویذ اور دم کی سینکڑوں صورتیں ایسی ہیں جہاں شرک کا مفہوم نہیں پایا جاتا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہاں ہر تعویذ و دم کی ممانعت مقصود نہیں ہے بلکہ کچھ خاص قسم کی تعویذیں تھیں جن میں شرک کا حقیقی مفہوم متحقق ہوتا تھا اور انہی کی مذمت یہاں مقصود ہے۔

۵۔ یہ موقف ان دلائل سے بھی متصادم ہے جن سے دم اور تعویذ کی اجازت ثابت ہوتی ہے اور جن میں کچھ باتیں پہلے ذکر بھی کی جا چکی ہیں۔

٦۔ اس لئے جمہور امت نے اس موقف کو کسی دور میں تسلیم نہیں فرمایا بلکہ ہر دور میں علمی اور عملی، دونوں سطح پر اس کی مشروط اجازت دیتے رہے ہیں۔ صحیح بخاری وغیرہ کتب حدیث میں حضرت ابو سعید خدری اور ان کے ساتھیوں (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کا جو قصہ منقول ہے کہ ایک قوم کے سردار پر سورت فاتحہ کے ذریعہ دم کیا اور اس کے بدلے کچھ بکریاں وصول کیں، اس کی تشریح کرتے ہوئے ایک مالکی عالم علامہ احمد نفراوی فرماتے ہیں کہ: یہ جو بکریاں ان حضرات نے وصول فرمائی تھی، یہ ضیافت کے طور پر نہیں تھا بلکہ جو دم انہوں نے کیا، اسی دم کے عوض یہ بدلہ وصول کیا، اس کے بعد فرماتے ہیں:

"وقد مضى عمل المسلمين على ذلك في سائر الأقطار على توالي الأعصار".[1]

ترجمہ: "ہمیشہ سے تمام ملکوں میں اس (دم) پر مسلمانوں کا عمل رہا ہے"۔

مذمت والی روایات کا محمل

رہا یہ سوال یہ کہ اگر رقیہ اور تمائم کی ہر صورت مذموم نہیں ہے اور ہر تعویذ و دم درج بالا روایات کے تحت داخل نہیں ہے تو پھر ان روایات کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ اور کس قسم کے دم و تعویذ پر ان کو حمل کیا جائے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ دورِ جاہلیت میں مختلف نوعیت کے دم و تعویذ رائج تھے اور ان میں بہت سی باتیں ایسی شامل ہوتی تھیں جو شرعی نقطہ نظر سے ممنوع و مذموم تھیں، چنانچہ:

الف: بہت سے دم و تعویذ ایسے تھے جن میں جنات سے مدد کی طلب ہوتی تھی۔

ب: بعض تعویذ ایسے تھے جو سحر کے ہم معنیٰ تھے۔ چنانچہ درج بالا روایات میں "تولہ" کو شرک قرار دیا گیا ہے، لغت کی مشہور کتاب "المحیط" میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

التُّوَلَةُ والتِّوَلَةُ: شَيْءٌ يُشْبِهُ السحْرَ يُحَبِّبُ المَرْأَةَ إلى زَوْجِها.[2]

ترجمہ: "تولہ (تاء کے ضمہ اور کسرہ کے ساتھ) سحر کے مشابہ ایک عمل ہے، جو بیوی کو شوہر کا محبوب بناتی ہے"۔

---

[1] الفواكه الدواني على رسالة ابن أبي زيد القيرواني باب الإجارة، ج٢ ص ١١١.

[2] المحيط في اللغة، ص٣٨٠.

ج: بہت سے لوگ خود ان دم و تعویذ اور بعض منتروں ہی کو مؤثر خیال کرتے تھے۔

یہ وہ بنیادی وجوہات ہیں جن کی بناء پر تمائم اور رقی کی مذمت و ممانعت کی گئی اور اس کو شرک قرار دیا گیا۔

جواز تعویذ کا منصوص ضابطہ

اس کی ایک واضح دلیل یہ ہے کہ جب حضور ﷺ نے ان چیزوں کی مذمت فرمائی تو متعدد حضرات صحابہ کرام کو یہی پریشانی لاحق ہوئی اور انہوں نے خود حضور اکرم ﷺ سے استفسار کیا کہ ہم جو دم کرتے ہیں ، کیا وہ بھی مذموم (اور شرک) ہے ؟ اس کے جواب میں حضور ﷺ نے یہ ضابطہ مقرر فرمایا کہ جس دم و تعویذ میں کوئی موجب شرک چیز موجود نہ ہو، اس کی اجازت ہے، چنانچہ "صحیح مسلم" میں ہے:

"عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ، قَالَ: كُنَّا نَرْقِي فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ كَيْفَ تَرَى فِي ذَلِكَ فَقَالَ: «اعْرِضُوا عَلَيَّ رُقَاكُمْ، لَا بَأْسَ بِالرُّقَى مَا لَمْ يَكُنْ فِيهِ شِرْكٌ"[1]

ترجمہ: "حضرت عوف بن مالک اشجعیؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ہم زمانہ جاہلیت میں دم کیا کرتے تھے، ہم نے اس کے بارے میں عرض کیا یارسول اللہ! اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: کہ اپنے دم مجھے بتاؤ، دم میں کوئی حرج نہیں جب تک کہ اس میں شرک نہ ہو"۔

---

[1] صحيح مسلم ،بَابُ لَا بَأْسَ بِالرُّقَى مَا لَمْ يَكُنْ فِيهِ شِرْكٌ ،ج٤ ص ١٧٢٧ رقم الحديث ٢٢٠٠.

"سنن ابن ماجہ "میں بھی اس نوعیت کا ایک قصہ مذکور ہے، چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"كان أهل بيت من الأنصار، يقال لهم آل عمرو بن حزم، يرقون من الحمة، وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم، قد نهى عن الرقى، فأتوه فقالوا: يا رسول الله، إنك قد نهيت عن الرقى، وإنا نرقي من الحمة، فقال لهم: «اعرضوا علي» فعرضوها عليه، فقال: «لا بأس بهذه، هذه مواثيق"[1]

ترجمہ: "انصار میں سے ایک گھرانے جنہیں آلِ عمرو بن حزم کہا جاتا تھا بخار کا دم کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دم کرنے سے منع فرمایا تھا، وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ نے دم کرنے سے منع فرمایا ہے اور ہم بخار کے لئے دم کرتے ہیں فرمایا: اپنا دم مجھے بتاؤ انہوں نے سنایا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں"۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ جب دم کی ممانعت کی گئی تو میرے ماموں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ نے دم کرنے سے منع فرمایا ہے جبکہ میں بچھو کے کاٹے کو دم کرتا ہوں (تو میرا یہ دم کرنا بھی اسی ممانعت کے زمرہ میں داخل ہے یا نہیں؟) اس کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بڑے واضح ضابطہ کا اعلان فرمایا کہ "جو شخص اپنے مسلمان بھائی

---

[1] سنن ابن ماجه ،باب ما رخص فيه من الرقى ،ج٢ص ١١٦١ ، رقم الحديث ٣٥١٥ .

کو نفع پہنچاسکے تو اس کو چاہئے کہ نفع پہنچائے"، چنانچہ امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"عن جابر، قال: لما نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الرقى أتاه خالي فقال: يا رسول اللهإنك نهيت عن الرقى وأنى أرقي من العقرب. قال: «من استطاع منكم أن ينفع أخاه فليفعل"[1]

ترجمہ: "حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب رسول اللہ ﷺ نے دم کرنے سے منع فرمایا تو میرے خالو آکر عرض کرنے لگے: یارسول اللہ! آپ نے دم کرنے سے منع فرمایا جبکہ میں بچھو کے کاٹے کو دم کرتا ہوں (تو میرا یہ دم کرنا بھی اسی ممانعت کے زمرہ میں داخل ہے یا نہیں؟) آپ ﷺ نے فرمایا کہ "جو شخص اپنے مسلمان بھائی کو نفع پہنچاسکے تو اس کو چاہئے کہ نفع پہنچائے"۔

اس سے واضح ہوا کہ:

الف: دم و تعویذ کرنا ایک مسلمان کو نفع پہنچانا ہے اور اس میں بذات خود کوئی مضائقہ نہیں ہے بلکہ مندوب و مستحسن بات ہے، البتہ اگر اس کے ضمن میں کوئی ایسی چیز شامل کردی جائے جو موجبِ شرک ہو تو اس سے اجتناب کرنا بہر حال فرض ولازم ہے۔

ب: دم و تعویذ کرنا بذات خود شرک یا ممنوع نہیں ہے۔

ج: متعدد صحابہ کرام بھی دم و تعویذ کرتے تھے اور ان کو حضور ﷺ کی تائید وتقریر بھی حاصل تھی۔

---

[1] شرح معاني الآثار، باب الكي هل هو مكروه أم لا؟، ج٤ ص ٣٢٨، رقم الحديث ٧١٩٤.

جمہور اہل علم کی تصریحات

جمہور امت اور اہل علم کا بھی یہی موقف ہے اور انہوں نے تعویذات کی مذمت والی روایات کو انہی صورتوں پر حمل فرمایا۔ مثال کے طور پر امام بیہقی رحمہ اللہ اس نوعیت کی مذمت والی ایک روایت ذکر کرنے کے بعد "امام ابو عبید" کے حوالہ سے ذکر کرتے ہیں:

"قال أبو عبيد: أما التولة فهي بكسر التاء وهو الذي يحبب المرأة إلى زوجها؛ هو من السحر وذلك لا يجوز؛ وأما الرقى والتمائم فإنما أراد عبد الله ما كان بغير لسان العربية مما لا يدرى ما هو. قال الشيخ: والتميمة يقال إنها خرزة كانوا يتعلقونها يرون أنها تدفع عنهم الآفات، ويقال قلادة تعلق فيها العوذ"[1]

ترجمہ: "امام ابو عبیدؒ نے فرمایا: کہ "تِولہ" تاء کے کسرہ کے ساتھ، وہ چیز ہے جو بیوی کو شوہر کا محبوب بناتی ہے، یہ سحر کی ایک قسم ہے جو کہ جائز نہیں ہے، اور جہاں تک دم و تعویذ کی بات ہے تو حضرت عبداللہ نے اس سے وہ دم تعویذ مراد لیا ہے جو عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں ہو اور اس کا معنی معلوم نہ ہو۔ حضرت شیخؒ نے فرمایا: تمیمہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ چھدا ہوا پتھر ہوتا تھا، جس کو لوگ اس خیال سے لٹکاتے تھے کی یہ ان سے آفات کو دور کرتا ہے، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ ایک پٹہ (دھاگہ) ہوتا تھا جس میں تعویذ لٹکائی جاتی تھی"۔

اس کے کچھ سطر بعد لکھتے ہیں:

---

[1] السنن الکبری للبیهقي، باب التمائم، ج9ص588.

"وقد يحتمل أن يكون ذلك وما أشبهه من النهي والكراهية فيمن تعلقها وهو يرى تمام العافية وزوال العلة منها على ما كان أهل الجاهلية يصنعون فأما من تعلقها متبركا بذكر الله تعالى فيها وهو يعلم أن لا كاشف إلا الله ولا دافع عنه سواه فلا بأس بها إن شاء الله".[١]

ترجمہ:"تعویذ لٹکانے سے متعلق جو ممانعت اور کراہت والی روایات منقول ہیں،ان میں یہ بھی احتمال ہے کہ یہ اس شخص کے بارے میں ہو جو یہ سمجھتا ہو کہ اس تعویذ میں پوری عافیت ہے اور اسی سے مرض کا ازالہ ہوتا ہے، جس طرح کہ اہلِ جاہلیت کرتے تھے، لیکن اگر کوئی اس کو اس لئے لٹکائے کہ اس میں موجود ذکر اللہ سے برکت حاصل ہو اور اس کا یقین یہ ہو کہ مصیبت کو رفع کرنے والا اللہ کے سوا کوئی نہیں نہ ہی کو بیماری کو دفع کرنے والا ہے اس کے سوا، تو ان شاءاللہ اس میں کوئی حرج نہیں ہوگی"۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"والتمائم جمع تميمة وهي خرز أو قلادة تعلق في الرأس كانوا في الجاهلية يعتقدون أن ذلك يدفع الآفات والتولة بكسر المثناة وفتح الواو واللام مخففا شيء كانت المرأة تجلب به محبة زوجها وهو ضرب من السحر وإنما كان ذلك من الشرك لأنهم أرادوا دفع

---

[١] السنن الكبرى للبيهقي باب التمائم ،ج٩ص ٥٨٨.

المضار وجلب المنافع من عند غير الله ولا يدخل في ذلك ما كان بأسماء الله وكلامه"-[١]

ترجمہ: "تمائم تمیمہ کی جمع ہے، وہ دھاگہ یا پٹہ جو سر (گلے) میں لٹکایا جاتا ہے، زمانہ جاہلیت میں اس سے متعلق لوگوں کا عقیدہ یہ تھا کہ یہ آفات کو دفع کرتا ہے اور تولہ تاء کے کسرہ اور واو، لام کے فتحہ کے ساتھ بحالت تخفیف، وہ چیز ہے جس سے بیوی اپنے شوہر کو تابع بناتی تھی اور یہ سحر کی ایک قسم ہے اور یہ شرک اس لئے تھا کہ وہ اس میں غیر اللہ سے نفع حاصل کرنے اور ضرر دفع کرنے کا قصد کرتے تھے، اس میں وہ دم تعویذ داخل نہیں جو اللہ تعالیٰ کے اسماء وکلام کے ذریعے ہو"۔

حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" والأحاديث في القسمين كثيرة، ووجه الجمع أن ما كان من الرقية بغير أسماء الله تعالى وصفاته وكلامه في كتبه المنزلة، أو بغير اللسان العربي، وما يعتقده منها أنها نافعة لا محالة، فيتكل عليها فإنها منهية، وإياها أراد عليه الصلاة والسلام بقوله: («ما توكل من استرقى») : وما كان على خلاف ذلك كالتعوذ بالقرآن، وأسماء الله تعالى، والرقى المروية فليست بمنهية، ولذلك قال عليه الصلاة والسلام للذي رقى بالقرآن، وأخذ عليه أجرا: («من أخذ برقية باطل فقد أخذت برقية حق") .[٢]

---

[١] فتح الباري لابن حجر، ج١٠ ص١٩٦

[2] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج1 ص174.

ترجمہ: "اور احادیث دونوں قسموں کے بارے میں وارد ہیں، ان میں تطبیق اس طرح ہے کہ جو دم تعویذ اللہ تعالیٰ کے اسماء، صفات اور کلام (جو کتابوں میں نازل ہو چکا ہے) کے علاوہ اور ذریعے سے ہو یا عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں ہو اور جس کے بارے میں یہ اعتقاد ہو کہ یہ بہر حال نافع ہے اور اس وجہ اس پر اعتماد کرتا ہے، تو ان سے منع کیا گیا ہے اور اُس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہی قسمیں مراد تھی، جس میں یہ ارشاد ہے کہ: "اس شخص نے کوئی توکل نہیں کیا جس نے دم کرایا" اور جو (دم تعویذ) اس کے خلاف ہو، جیسے قرآن یا اللہ تعالیٰ کے اسماء کے ذریعے تعویذ کرنا، اسی طرح مسنون دعاؤں کے ذریعے دم کرنا، یہ ممنوع نہیں ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس صحابیؓ سے فرمایا جس نے قرآن کے ذریعے دم کیا تھا اور اس پر اُجرت لی تھی کہ: "ناحق دم پر لوگوں نے اُجرت لی، تم نے تو حق دم پر لی ہے"۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"وكل حديث فيه نهي عن الرقى والتمائم والتولة محمولة على ما فيه شرك أو انهماك في التسبب بحيث يغفل عن البارى جل شأنه".[1]

ترجمہ: جن حدیثوں میں دم، تعویذ کرنے اور تولہ سے نہی وارد ہوئی ہیں، اس سے مراد شرکیہ الفاظ پر مشتمل ہونا مراد ہے یا اس میں اس قدر منہمک ہونا جو انسان کو اللہ تعالی سے بالکل غافل کردے۔

---

[1] حجۃ اللہ البالغۃ ج2 ص300.

حروف مقطعات اور ابجد والے تعویذ کا حکم

مسئلہ: تعویذات میں بسا اوقات حروف مقطعات لکھے جاتے ہیں ،اسی طرح کبھی کچھ اعداد لکھے ہوتے ہیں جن کے بارے میں یہ بتایا جاتا ہے کہ یہ ابجد کے لحاظ سے فلاں سورت کے اعداد ہیں۔ تعویذ کے درست ہونے کے لئے جن شرائط کا لحاظ رکھنا ضروری ہے،ان میں سے ایک اہم شرط یہ تھی کہ جن کلمات وحروف کے ذریعے تعویذ کی جاتی ہے،ضروری ہے کہ ان کا معنٰی مفہوم معلوم ہو اور اس میں خلاف شرع کوئی بات شامل نہ ہو۔لہٰذا حروف مقطعات کا معنٰی تو معلوم نہیں ہوتا ،اس لئے ان کے ذریعے تعویذ کرنا درست نہیں ہے،البتہ قرآن کریم میں ذکر کردہ مقطعات کو اگر اسی حیثیت سے تعویذ میں لکھا جائے کہ یہ قرآن کریم کا حصہ ہے جو باعث برکت ہے تو بظاہر اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

جہاں تک اعداد کے استعمال کرنے کا مسئلہ ہے تو اگر ان اعداد کا مقصود خود معلوم ہو یا کسی معتمد شخص سے سنے اور اس کے کہے پر اعتماد کیا جائے تو گنجائش ہے ورنہ نہیں۔"فتح الباری"میں ہے:

وسئل بن عبد السلام عن الحروف المقطعة فمنع منها ما لا يعرف لئلا يكون فيها كفر.[1]

ترجمہ:"علامہ ابن عبد السلام سے حروفِ مقطعات کے بارے میں سوال کیا گیا،تو آپ نے منع فرمایا کہ جب تک اس کا معنی معلوم نہ ہو ممکن ہے کہ اس میں کفر ہو"۔

---

[1] فتح الباري لابن حجر،ج10ص197.

علامہ احمد صاوی مالکی ایک مسئلہ کے ضمن میں لکھتے ہیں:

"وَمَا يَقَعُ مِنَ التَّمَائِمِ والأوفاق بِقَصْدِ مُجَرَّدِ التَّبَرُّكِ بِالْأَعْدَادِ الْهِنْدِيَّةِ الْمُوَافِقَةِ لِلْحُرُوفِ فَلَا بَأْسَ بِهَا".[1]

ترجمہ: "محض برکت کے ارادے سے حروف کے موافق ہندی اعداد کے ذریعے جو تعویذ اور ڈوریاں استعمال کی جاتی ہیں، اس میں کوئی حرج نہیں"۔

حرز ابی دجانہ کا حکم

مسئلہ: جنات کی شرارت سے بچنے کے لئے بسا اوقات "حرز ابی دجانہ" کو استعمال کیا جاتا ہے، جن روایات میں اس کا ذکر کیا گیا ہے، ان کو امام بیہقی، ابن جوزی اور ذہبی رحمہم اللہ وغیرہ ائمہ حدیث نے موضوع قرار دیا ہے، اس لئے اس خط یا ان کلمات کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنا جائز نہیں ہے، البتہ چونکہ علاج کے طریقوں کا قرآن وحدیث میں منصوص ہونا ضروری نہیں ہے اس لئے اگر کسی جائز کلمہ کہنے سے افاقہ حاصل ہو جاتا ہو تو اس کا کہنا درست ہے جبکہ اس کو بلا ثبوت حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف منسوب نہ کیا جائے۔

کلائی یا گلے میں ڈور لٹکانا

مسئلہ: بعض لوگ کلائی میں کوئی ڈوری یا گلے میں ہار کسی سے دم کرا کر لٹکاتے ہیں۔ اس میں اگر یہ تصور ہو کہ یہ چیزیں خود بیماری ونقصان وغیرہ خطرات کو ٹال دیتی ہیں تب تو اس کا حرام بلکہ موجب شرک ہونا واضح ہے، اگر اس طرح کوئی

---

[1] حاشية الصاوي على الشرح الصغير، ج 1 ص 150.

غیر مشروع اعتقاد شامل نہ ہو تو فی نفسہ اس میں مضائقہ نہیں ہے گو بے فائدہ کام ہے،البتہ اگر عورتوں یا گمراہ وفاسق لوگوں کے ساتھ مشابہت کی صورت پیدا ہو جائے تو درست نہیں ہے۔

مسئلہ: تعویذ کے سہارے کسی ممنوع چیز کا ارتکاب کرنا ناجائز ہے،لہٰذا یہ جو بعض لوگوں میں رواج ہے کہ مرد کنگن، بالی یا سونے کی انگوٹھی پہن لیتا ہے اور اس پر کسی سے کچھ دم کرواتا ہے، یہ شرعا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ چیز مرد کے لئے استعمال کرنا شرعا ممنوع و مذموم ہے۔

معاوضہ پر تعویذ لکھنا

مسئلہ: معاوضہ پر دم یا تعویذ کرنا جائز ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے،البتہ اس کی حیثیت ایک مباح طریقہ علاج کی ہے اور معاوضہ لینے کی صورت میں یہ کرایہ داری جیسا ایک معاملہ بن جاتا ہے، لہٰذا مسجد میں جس طرح دیگر تجارتی معاملات کرنا شرعا درست نہیں ہے یوں ہی عوض پر تعویذ کرنا بھی درست نہیں ہے۔

ستاروں کے خاص گردش کا انتظار کرنا

مسئلہ: بہت سے لوگ تعویذ لکھتے میں ستاروں اور سیاروں کے مخصوص حالات کا لحاظ رکھتے ہیں کہ فلاں سیارہ یا ستارہ جب فلاں برج میں ہو جائے تو اس کے بعد تعویذ لکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اگر ان خاص حالات کا لحاظ نہ رکھا جائے تو تعویذ مفید ثابت نہیں ہوتی۔ اس کا حکم یہ ہے کہ یہ چیزیں شرعا معتبر نہیں ہیں، اور اس کی تشہیر بھی کسی طرح مناسب نہیں ہے،البتہ اگر کوئی شخص ان چیزوں کو مؤثر نہیں سمجھتا اور

تجرباتی لحاظ سے وہ اس کو فائدہ مند خیال کرتا ہے تو اپنی حد تک اس کی رعایت رکھنے کی گنجائش ہے۔

خون وغیرہ ناپاک چیز پر تعویذ لکھنا

مسئلہ: خون، پیشاب اور دیگر ناپاک چیزوں کے ساتھ کچھ لکھنا بے ادبی اور ایک گونا گستاخی ہے، لہٰذا قرآن کریم اور مسنون ادعیہ کو اس طرح لکھنا بالکل ناجائز اور ممنوع ہے۔ بعض فقہی عبارات سے جو اس کی اجازت معلوم ہوتی ہے وہ دراصل ایک اور فقہی مسئلہ "تداوی بالمحرم" پر تفریع و تطبیق کے طور پر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر تداوی بالمحرم کے جائز ہونے کی تمام تر شرائط موجود ہو جائیں تو یہ بھی درست ہو سکتا ہے، لیکن چونکہ وہ شرائط یہاں متیقن نہیں ہو سکتے، اس لئے اس کی گنجائش بھی نہیں ہے۔ لہٰذا ان عبارات سے اس کو بہر حال جائز سمجھنا بالکل غلط اور خلاف مقصود ہے، اور اس طرح کی عبارات کو لے کر فقہاء کرام پر طعن نہایت وملامت کرنا بے انصافی اور سینہ زوری ہے۔

"تکملہ بحر" میں ہے:

"وفي التتارخانية وإذا سال الدم من الأنف فكتب الفاتحة بالدم على الفم والوجه جاز للاستشفاء والمعالجة ولو أراد أن يكتب ذلك بالبول لم ينقل ذلك عن المتقدمين وقيل لا بأس به إذا علم به الشفاء".[1]

---

[1] البحر الرائق، کتاب الکراھیۃ، ج8 ص235.

ترجمہ: "تتارخانیہ" میں ہے کہ اگر ناک سے خون بہنے لگے اور اس خون سے منہ اور چہرے پر سورہ فاتحہ لکھ لے، تو بقصد شفاء اور علاج کے یہ جائز ہے اور اس کو پیشاپ سے لکھنا چاہے تو یہ متقدمین سے منقول نہیں ہے اور کہا گیا ہے کہ اگر معلوم ہو جائے کہ اس سے شفاء ہو گی تو اس میں کوئی حرج نہیں"۔

"فتاویٰ شامی" میں ہے:

"وفي الخانية في معنى قوله عليه الصلاة والسلام «إن الله لم يجعل شفاءكم فيما حرم عليكم» كما رواه البخاري أن ما فيه شفاء لا بأس به كما يحل الخمر للعطشان في الضرورة، وكذا اختاره صاحب الهداية في التجنيس فقال: لو رعف فكتب الفاتحة بالدم على جبهته وأنفه جاز للاستشفاء، وبالبول أيضا إن علم فيه شفاء لا بأس به، لكن لم ينقل وهذا؛ لأن الحرمة ساقطة عند الاستشفاء كحل الخمر والميتة للعطشان والجائع. اهـ من البحر".[1]

ترجمہ: "فتاویٰ قاضی خان" میں آپ ﷺ کے اس ارشاد "اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے شفاء حرام میں نہیں رکھی ہے" کا معنیٰ ہے کہ جس حرام میں شفاء ہو اس میں کوئی حرج نہیں، جیسا کہ شدید پیاس والے کے لئے ضرورت کے وقت سے شراب کی اجازت ہوتی ہے، صاحبِ ہدایہ نے بھی "التجنیس" میں اسے اختیار فرمایا ہے کہ: اگر نکسیر پھوٹے اور خون سے اپنے چہرے اور ناک پر شفاء کے لئے سورہ فاتحہ لکھ لے تو جائز ہے، اسی طرح اگر پیشاپ سے بھی لکھ لے تو اگر اس سے شفاء ملنے کا یقین ہو تو اس میں بھی حرج نہیں، تاہم یہ طریقہ ائمہ سے منقول نہیں ہے جائز ہونے کی وجہ

---

[1] الدر المختار مع حاشية ابن عابدين، مطلب في التداوي بالمحرم، ج١ ص٢١٠.

یہ ہے کہ شفاء طلب کرتے وقت حرمت ساقط ہو جاتی ہے جس طرح کہ سخت پیاسے اور بھوکے کے لئے شراب اور مردار کا کھانا حلال ہے"

دم و تعویذ کی اجازت دینے پر معاوضہ لینا

مسئلہ: کسی دم، تعویذ یا وظیفہ کی اجازت دینے پر معاوضہ لینے کا حکم یہ ہے کہ اگر اجازت دینے والا لکھ کر تعویذ و دم دینا چاہے، یا اس کا کوئی خاص مباح طریقہ کار ہو اور ساتھ وہ بھی سکھائے، تب تو اس پر عوض کا لینا دینا جائز ہے جبکہ باہمی رضامندی کے ساتھ عوض پہلے سے طے ہو، اور اگر نہ لکھنے لکھانے کی نوبت آئے اور نہ سمجھانے کی ضرورت درپیش ہو اور دم و تعویذ بھی کا تعلق قرآن و حدیث کے ساتھ ہو تو محض زبانی طور پر اجازت دینے پر باقاعدہ عوض لینا جائز معلوم نہیں ہوتا، البتہ اگر اجازت لینے والا اپنی دلی رضامندی سے کچھ دینا چاہے تو جائز بلکہ احسان مندی کا تقاضا ہے۔

تعویذ میں تسمیہ کی بجائے ۷۸٦ لکھنا

تعویذات میں اکثر "بسم اللہ" کی بجائے سات سو چھیاسی (۷۸٦) کا عدد لکھا جاتا ہے اور اس کو بسم اللہ کا قائم مقام خیال کیا جاتا ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس سے کسی غلط جملہ کی طرف اشارہ مقصود نہ ہو بلکہ بسم اللہ کی طرف یا اس جیسے کسی جائز کلمہ و مفہوم کی طرف اشارہ کرنا مطلوب ہو تو اس صورت میں اس کا لکھنا بلا شبہ درست ہے، البتہ زیادہ راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ "بسم اللہ" کے قائم مقام نہیں ہے اور محض اس عدد کے لکھنے سے "بسم اللہ" کی سنت پوری طرح ادا نہیں ہوگی، اس لئے تحریرات وغیرہ میں بسم اللہ پڑھنے ہی کا اہتمام کیا جائے، اور جہاں بے ادبی کا

خدشہ ہو وہاں اگر تحریری طور پر نہ بھی لکھی جائے تو بھی زبانی طور پر پڑھنا ہی بہتر ہے۔

مسنون کلمات پانی میں حل کرکے پلانا

مسئلہ: مباح دم و تعویذ کے غرض سے بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی کاغذ پر قرآن وحدیث کے کچھ کلمات وغیرہ لکھے جاتے ہیں اور پھر وہ پانی میں حل کرکے مریض کو پلائے جاتے ہیں، یا کسی برتن پر لکھ کر اس پر پانی ڈالا جاتا ہے اور لکھنے کا اثر اس پانی میں منتقل ہو جاتا ہے، اس کے بعد یہ پانی مریض کو پلایا جاتا ہے۔ یہ دونوں صورتیں شرعاً مباح ہیں۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

"ولو محا لوحا كتب فيه القرآن واستعمله في أمر الدنيا يجوز، وقد ورد النهي عن محو اسم الله تعالى بالبزاق".[1]

ترجمہ: اگر ایسی تختی کو مٹھایا جائے جس پر قرآن لکھا گیا ہو اور اسے کسی ضرورت میں استعمال کرے تو جائز ہے، اور اللہ تعالیٰ کے نام کو تھوک کے ذریعے مٹھانا منع ہے"۔

مختلف قسم کے ختموں کا حکم

بہت سے علاقوں میں مختلف اغراض کے لئے متعدد قسم کے ختموں کا رواج ہے، کہیں سورۃ یٰس کا ختم کیا جاتا ہے اور کبھی سورۃ تغابن یا سورۃ مزمل وغیرہ کا، جبکہ کبھی مختلف قسم کی آیات، اذکار اور اسمائے حسنیٰ میں سے کسی نام مقدس کا ختم کیا جاتا ہے۔ اس سے متعلق درج ذیل باتیں ملحوظ رہنی چاہئے:

---

[1] الفتاوى الهندية ،كتاب الكراهية ، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف وما كتب فيه شيء من القرآن ،ج5ص322.

۱۔ کسی ختم کے جائز ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ ضرور قرآن وحدیث میں منصوص ومذکور ہو، بلکہ ممانعت کی کوئی شرعی بنیاد موجود نہ ہو تو فی نفسہ ختم کرنے میں مضائقہ نہیں ہے۔

۲۔ جس طرح ناجائز مقصد کے حاصل کرنے کے لئے دیگر تدابیر اختیار کرنا جائز نہیں ہے یوں ہی یہ ختم بھی ایک تدبیر وسبب ہے، لہذا کسی ناجائز مقصود کے لئے اس کو بروئے کار لانا جائز نہیں ہے بلکہ دیگر اسباب وتدابیر کی بنسبت قرآن کریم کی تلاوت کو ناجائز مقصد حاصل کرنے کا ذریعہ بنانا زیادہ باعث مذمت ہے۔

۳۔ تجربہ سے کسی سورۃ یا آیت کریمہ کا ختم مقرر کرنا تو جائز ہے لیکن اس کی حیثیت ایک تجربہ ہی کی ہوتی ہے، اس کو مسنون سمجھنا جائز نہیں ہے بلکہ اس بے بنیاد اعتقاد کی وجہ سے جائز کام بھی بدعت بن جاتا ہے، اس لئے اس سے احتراز کرنا ضروری ہے۔

۴۔ ایسے ختموں کو نظریاتی یا عملی لحاظ سے ضروری خیال کرنا بھی جائز نہیں ہے، اس سے بھی بچنا ضروری ہے، عملی طور پر ضروری خیال کرنے کا ایک واضح قرینہ یہ ہے کہ جو لوگ اس کا اہتمام نہیں کرتے یا اس میں شریک نہیں ہوتے، ان پر طعن وتشنیع کی جاتی ہے، اس کو التزام کہا جاتا ہے جس کی وجہ سے جائز ومباح کام بھی بدعت کے دائرے میں داخل ہو جاتا ہے۔

۵۔ دنیوی مقاصد کے لئے جو ختم کیا جائے، اس میں اگر ضروری شرائط کا لحاظ رکھا جائے تو اگرچہ جائز ہے لیکن بہر حال یہ موجب ثواب نہیں ہے، جبکہ ایک مسلمان کے لئے سب سے زیادہ اور اہم ضرورت فکرِ آخرت ہے۔

٦۔خود ثواب حاصل کرنے یا کسی میت کے ایصال ثواب کے لئے جو ختم کئے جاتے ہیں،ان پر عوض کا لینا دینا ناجائز ہے، عوض خواہ نقد پیسوں کی شکل میں ہو یا کسی اور صورت میں، بہر حال اس کے لینے دینے سے احتراز کرنا لازم ہے اور اگر کسی بیمار پر دم کرنے لئے ہو یا اس کو شفاء حاصل ہونے کے لئے کوئی ختم کیا جائے تو اس پر عوض کے لین دین کی گنجائش ہے لیکن جہاں عوض لینا مقصود ہے وہاں پہلے سے باہمی اتفاق کے ساتھ عوض کا متعین کرنا ضروری ہے جیسا کہ تعویذ کی شرائط کے ضمن میں ذکر کیا جا چکا ہے۔

علم نجوم اور اس سے وابستہ شرعی مسائل

نوٹ: یہاں علم نجوم سے مراد یہ ہے کہ ستاروں اور سیاروں کے اوضاع واشکال اور حرکات وسکنات سے مختلف باتوں کا علم حاصل کیا جائے۔

مسئلہ: ستارے، وسیارے ہوں یا کوئی اور چیز کوئی بھی مخلوق اچھے برے حالات کے لانے، لے جانے میں بذاتِ خود مؤثر نہیں ہے بلکہ جس طرح مخلوقات کا حقیقی خالق وہی ہے، یوں ہی ان میں کسی چیز کی تاثیر بخشنے والی ہستی بھی اس کی ذات ستودہ صفات ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی مستقل مؤثر خیال کرنا شرک وکفر ہے۔

مسئلہ: بعض لوگوں کا تجربہ ہے کہ ستاروں کی حرکات کے ساتھ انسانی دنیا کی متعدد باتیں مربوط ہیں اور متعدد اہل علم کا بھی یہ موقف ہے [1]، لیکن دو چیزوں

[1] علامہ آلوسی اور شاہ ولی اللہ وغیرہ محققین رحمہم اللہ کا بھی یہی موقف ہے۔

کے درمیان باہم اتصال وربط سے یہ کسی طرح لازم نہیں آتا کہ ان میں سے کوئی ایک دوسرے میں مؤثر بھی ہے اور اگر کہیں تاثیر ہو بھی تو بھی مستقل طور پر تاثیر کسی طرح ثابت نہیں ہوتا۔ لہٰذا ستاروں کی مختلف کیفیات سے اگر کچھ زمینی واقعات وابستہ بھی ہوں تو بھی محض اس بناء پر یہ خیال جمانا جائز نہیں ہے کہ خود یہ ستارے یا ان کی حرکات وسکنات یہ واقعات لاتے اور بدلتے ہیں۔ یہ خیال بے دلیل ہونے کے علاوہ قرآن وسنت کے بیسیوں نصوص سے بھی واضح طور پر متصادم ہے۔

علم نجوم سے استفادہ کرنے کا حکم

مسئلہ: اوقات معلوم کرنے، موسمی حالات معلوم کرنے کے لیے ستاروں کی حالات سے استفادہ کرنا جائز ہے، اسی طرح راستہ معلوم کرنے، سمتِ قبلہ متعین کرنے کے لئے بھی اس سے کام لینا جائز ہے، لیکن میرا مستقبل کیسے گزرے گا؟ آئندہ کیا ہونے والا ہے؟ ان جیسی باتوں کو معلوم کرنے کے لئے نجوم سے استفادہ کرنا جائز نہیں ہے۔

مسئلہ: متعدد روایات میں علم نجوم کی مذمت وارد ہوئی ہے اور متعدد سلف صالحین سے بھی اس کی خوب مذمت منقول ہے، اس مذمت وممانعت کا محمل یہی ہے جو ابھی اوپر ذکر کیا گیا ہے، ورنہ نجوم سے ہر قسم کا استفادہ کرنا ناجائز نہیں ہے۔

صاحب ہدایہ اپنی ایک کتاب میں تحریر فرماتے ہیں:

"أما علم النجوم فهو في نفسه حسن غير مذموم، إذ هو قسمان: حسابي وإنه حق، وقد نطق به الكتاب. قال الله تعالى - {الشمس والقمر بحسبان} أي سيرهما بحساب. واستدلالي بسير النجوم

وحركة الأفلاك على الحوادث بقضاء الله تعالى وقدره، وهو جائز كاستدلال الطبيب بالنبض من الصحة والمرض ولو لم يعتقد بقضاء الله تعالى أو ادعى الغيب بنفسه يكفر، ثم تعلم مقدار ما يعرف به مواقيت الصلاة والقبلة لا بأس به".[1]

ترجمہ: "علم نجوم فی نفسہ برا نہیں، کیونکہ اس کی دو قسمیں ہیں: حسابی علمِ نجوم، یہ حق ہے قرآنِ مجید میں اس کی تصریح ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: {الشمس والقمر بحسبان] یعنی ان (سورج اور چاند) کی چلن حساب سے ہے۔ اور استدلالی علمِ نجوم: کہ ستاروں اور سیاروں کی نقل و حرکت سے اللہ تعالیٰ کے قضاء و قدر کے ذریعے ہونے والے حادثات پر استدلال کرنا، اور یہ جائز ہے، جس طرح کہ طبیب کا نبض کے ذریعے صحت اور مرض پر استدلال کرنا جائز ہے، اور اگر کوئی اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ تقدیر کا عقیدہ نہ رکھے یا اپنی طرف سے علمِ غیب کا دعویٰ کرے، تو کافر ہوگا۔ اس قدر علم نجوم سیکھنا جس سے نمازوں کے اوقات اور قبلہ کا سمت معلوم ہو سکے، جائز ہے"

مسئلہ: جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ مستقبل کے حالات دریافت کرنے کے لئے ستاروں اور سیاروں کے حرکات واشکال سے استفادہ کرنا جائز نہیں ہے، لہٰذا ان چیزوں کے پیچھے پڑنا بھی درست نہیں ہے۔

---

[1] فتاوي مختارات النوازل، باب المكروه، ص389.
والتفصيل في القول في علم النجوم للخطيب, ص126.

علم نجوم سیکھنے کا حکم

مسئلہ: علم نجوم سے جس حد تک استفادہ کرنا جائز ہے،اس حد تک اس علم کو سیکھنے میں شرعاً مضائقہ نہیں ہے بلکہ اگر اچھے نیت کے ساتھ ہو تو مستحسن ہے۔ جس قسم کا استعمال جائز نہیں ہے،اس کا سیکھنا سکھانا بھی جائز نہیں ہے۔

نجومیوں کے پاس جانے کا حکم

مسئلہ: مستقبل کے حالات و اسرار جاننے، اپنی نصیب معلوم کرنے کے لئے نجومیوں کے پاس جانا،ان سے اس طرح کی چیزیں دریافت کرنا،ان کی بات پر اعتماد کرنا اور اس پر ان کو اجرت دینا، یہ سب باتیں ناجائز اور گناہ ہیں جن سے بچنا ضروری ہے۔

علم الاعداد کے مطابق نام رکھنا

مسئلہ: بہت سے لوگوں کی کوشش ہوتی ہے کہ علم نجوم اور علم الاعداد کے مطابق بہتر سے بہتر نام رکھے،اس خیال کے مطابق مارکیٹ میں "ناموں کا خزانہ" جیسے ناموں سے متعدد کتابیں بھی دستیاب ہوتی ہیں، جن میں ہر عدد او رہر دن کے مختلف خاصیات لکھے ہوتے ہیں۔ ستاروں کی شکلوں اور اعداد وغیرہ کسی مخلوق میں بذات خود کوئی تاثیر ہے اور نہ اس کو مستقل مؤثر خیال کرنا جائز ہے،اس جذبے کے ساتھ ان اعداد کے پیچھے پڑنا اور اس کے مطابق "کامل" نام جو خصوصیات کا حامل اور عیوب ونقائص سے پاک ہو، جائز نہیں ہے۔اور اگر یہ جذبہ کارِ فرمانہ بھی ہو تو بھی بعض لوگ اس میں حد سے زیادہ غلو کرتے ہیں،اس لئے تاثیر کا اعتقاد نہ بھی ہو،تب بھی بہر حال اس سے احتراز ہی کرتے رہنا چاہیئے۔

اعداد سے قسمت معلوم کرنا

مسئلہ: جس طرح ستاروں کی گردش اور مختلف اشکال سے مستقبل کی بات معلوم کرنے اور اپنا نصیب دریافت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور یہ ناجائز ہے، یوں ہی علم الاعداد کے ذریعے بھی اس مقصد تک رسائی کی کوشش کی جاتی ہے، حالانکہ اس طریقے سے بھی کوئی حتمی بات معلوم نہیں ہو سکتی، اس لئے اس پر یقین رکھنا بالکل غلط اور بے جا بات ہے بلکہ اگر اعداد کی تاثیر کا عقیدہ ہو تو کفر ہے۔

سحر: لغوی واصطلاحی تعارف

سحر کا مادہ عربی زبان میں متعدد معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے، دھوکہ دہی، ملمع سازی اور دل کشی کے لئے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے اور ہر اس چیز کو بھی سحر کہا جاتا ہے جس کا کوئی پوشیدہ سبب ہو اور وہ بظاہر اپنی حقیقت کے خلاف نمودار ہو جائے (ملاحظہ ہو: قاموس الوحید، ص ۷۰)

اصطلاحی معنیٰ اہل علم نے مختلف تعبیرات کے ساتھ ذکر فرمایا ہیں، یہاں چند عبارات ذکر کی جاتی ہیں۔ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں سحر کا مصداق متعین کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"والمراد بالسحر ما يستعان في تحصيله بالتقرب إلى الشيطان مما لا يستقل به الإنسان".[۱]

---

[۱] أنوار التنزيل وأسرار التأويل، ج۱ ص ۹۷.

ترجمہ:"سحر سے مراد وہ کام ہے جسے انسان خود بخود نہیں کر سکتا اور اس کے حصول میں شیطان کی تقرب سے مدد لی جائے، "۔

"دستور العلماء"میں ہے:

"السحر: إظهار خارق للعادة من نفس شريرة خبيثة بمباشرة أعمال مخصوصة فيها التعليم والتلمذ".[١]

ترجمہ:"ناپاک شریر نفس کا مخصوص أعمال سیکھ سکھا کر اس کے ذریعے خلافِ عادت چیزیں ظاہر کرنا سحر ہے"۔

علامہ تفتازانی"شرح المقاصد"میں فرماتے ہیں:

"السحر إظهار أمر خارق للعادة من نفس شريرة خبيثة بمباشرة أعمال مخصوصة يجري فيها التعلم والتلمذ ".[٢]

ترجمہ:"ناپاک شریر نفس کا مخصوص أعمال کے ذریعے خلافِ عادت چیزیں ظاہر کرنا جس میں استاذی شاگردی چلتی ہے سحر کہلاتا ہے"۔

امام ابنِ قدامہؒ فرماتے ہیں:

"السحر: عزائم ورقى وعُقَد تؤثر في الأبدان، والقلوب، فيمرض، ويقتل، ويفرق بين المرء وزوجه، ويأخذ أحد الزوجين عن صاحبه".[٣]

---

[١] دستور العلماء، ج٢ص ١١٩ .

[٢] شرح المقاصد في علم الكلام المبحث التاسع، ج٢ص ٢٠٦ .

[3] الكافي في فقه الإمام أحمد، باب الحكم في الساحر، ج4ص64.

ترجمہ: "سحر قوّتِ ارادی، مختلف دم اور بندھن ہوتے ہیں جو دل وجان پر اثرانداز ہوتے ہیں، نتیجۂ مرض میں بھی مبتلا کرتا ہے اور مار بھی دیتا ہے، میاں بیوی کے درمیان جدائی پیدا بھی کرتا ہے اور زوجین میں سے ایک کو دوسرے سے چھین بھی لیتا ہے"۔

"التوقیف" میں ہے:

"وقال بعضهم: السحر قلب الحواس في مدركاتها عن الوجه المعتاد في صحتها عن سبب باطل لا يثبت مع ذكر الله عليه. وقال الكرماني: أمر خارق للعادة صادر عن نفس شريرة لا يتعذر معارضته".[1]

ترجمہ: "اور بعض نے فرمایا کہ: سحر کسی ایسے باطل سبب کے ذریعے حواس کا اس کے محسوسات میں الٹنا ہے (یعنی حواس کو محسوسات الٹی دکھائی دیتی ہیں)، جو (سبب) ذکراللہ کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا۔ علامہ کرمانیؒ فرماتے ہیں: نفسِ شریرہ سے خلافِ عادت کام کا صادر ہونا (سحر) ہے، جس کا توڑ ممکن ہوتا ہے"۔

"القاموس الفقهی" میں ہے:

"في عرف الشرع: هو كل أمر يخفى سببه، ويتخيل على غير حقيقته، ويجري مجرى التمويه والخداع.

(الفخر الرازي) - اصطلاحا: مزاولة النفوس الخبيثة لافعال، وأقوال، يترتب عليها أمور خارقة للعادة.

---

[1] التوقیف علی مھمات التعاریف، ص 191.

(البجيرمي) - عند المالكية: كلام يعظم به غير الله، وينسب إليه المقادير والكائنات.

- عند الحنابلة: هو عقد، ورقى، وكلام يتكلم به الساحر، أو يكتبه، أو يعمل شيئا يؤثر في بدن المسحور، أو قلبه، أو عقله، من غير مباشرة له".[1]

ترجمہ:"عرفِ شرع میں (سحر)ہر وہ کام جو اپنی اصل شکل کے خلاف معلوم ہوتاہواور ہے پوشیدہ اسباب کی وجہ سے اور ملمّع سازی اور دھوکہ دہی کے لئے استعمال کیا جاتا ہو۔امام فخر الدین رازیؒ اس کی اصطلاحی تعریف یہ ذکر فرماتے ہیں: کہ نفوسِ خبیثہ کا بعض ایسے اُقوال و اُفعال کا مشق کرنا، جن پر خلافِ عادت کاموں کا ترتّب ہو، علامہ بجیرمیؒ فرماتے ہیں کہ مالکیہ ہاں تعریف یہ ہے کہ: ایک کلام جس کے ذریعے غیر اللہ کی تعظیم کی جاتی ہے اور اس کی طرف تقدیر میں لکھے گئے اور واقع ہونے والے کام منسوب کئے جاتے ہیں"۔

سحر کی حقیقت اور اس کے معیار ومصداق کے متعلق یہ چند عبارات ذکر کی گئیں ہیں جو کہ تقریبا دس ہیں۔یہ تعریفات کسی ایک نکتہ پر متفق نہیں ہیں جس کو سحر کا حتمی مفہوم تصور کیا جائے بلکہ سب کو ملا کر دیکھا جائے تو خاصا اختلاف وتباین سا معلوم ہوتا ہے اور بعض تعریفات ایسی بھی ہیں جن کے مطابق نہ سحر کو مطلقا حرام یا ممنوع سمجھنا ہی درست معلوم ہوتا ہے اور نہ سحر کا حقیقی مفہوم نکھر

---

[1] القاموس الفقهي (ص:168) اهل علم کی مزید تعریفات وعبارات کے لئے ملاحظہ فرمائیں: الحذر من السحر ص: ٧٩.

کر سامنے آتا ہے۔ شاید اسی وجہ سے قاضی محمد اعلی تھانوی رحمہ اللہ جیسی ماہر اور بہرہ ور شخصیت کو بھی یہ کہنا پڑا کہ:

"فلم يصل إليّ تعريف يعوّل عليه في كتب الفقه. والمشهور عند الحكماء منه غير المعروف في الشرع"[1]

ترجمہ: "فقہی کتابوں میں مجھے کوئی قابلِ اعتماد تعریف نہیں ملی، حکماء کے ہاں مشہور تعریف شرع میں مشہور تعریف سے مختلف ہے"۔

تعریف کے سلسلہ میں یہ شکوہ کرنے کے بعد آپ نے از خود ایک تعریف ذکر فرمائی ہے جو بڑی حد تک کارآمد اور مفید ہے، آپ فرماتے ہیں:

"والأقرب أنّه الإتيان بخارق عن مزاولة قول أو فعل محرّم في الشرع، أجرى الله سبحانه سنّته بحصوله عنده ابتلاء".[2]

ترجمہ: میرے نزدیک اقرب (الی الحق تعریف) یہ ہے کہ (سحر) کسی شرعاً حرام قول یا فعل سے کام لے کر خلافِ عادت کام کرنے کا نام ہے جس کے حاصل ہونے کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کوئی آزمائش باندھ دی ہو"۔

یاد رہے کہ سحر کا جو شرعی حکم بیان کیا جاتا ہے، وہاں اس سے اسی معنیٰ میں سحر مراد ہے اور اسی سحر کا حکم یہ بیان کیا جاتا ہے کہ بہر حال مذموم و ممنوع ہے، لغوی معنیٰ کے لحاظ سے سحر کی تمام صورتوں کا یہ حکم نہیں ہے بلکہ اس میں بہت سی ایسی چیزیں داخل ہوتی ہیں جو شرعاً حرام نہیں ہے یا سحر کے مفہوم میں داخل نہیں ہیں۔

---

[1] کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم، ج1ص935.

[2] کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم، ج1ص935.

سحر کی تاریخ

سحر کی ابتداء کہاں سے ہوئی؟ اور دنیا میں سب سے پہلے ساحر شخص یا قوم کونسی ہے؟اس کے متعلق تو حتمی طور پر کچھ معلوم نہیں ہے البتہ قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مرض انسانی معاشرے میں بہت پہلے سے سرایت کرچکا ہے، قومِ یہود سے اس کی ابتداء نہیں ہوئی بلکہ ان سے بھی پہلے مختلف اقوام وعہود میں اس کا رواج تھا۔اہل بابل کا اس کے پیچھے لگنا اور اس کو سرمایہ حیات اور کاروبار زندگی بنانا معلوم ہی ہے لیکن قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے کے انسان بھی اس مرض سے آشنا تھے اور اس دور کے معاشروں میں بھی کسی نہ کسی حد تک اس کام کا رواج تھا۔ارشادِ خداوندی ہے:

{كَذَلِكَ مَا أَتَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا قَالُوا سَاحِرٌ أَوْ مَجْنُونٌ} [الذاریات: ٥٢][1]

ترجمہ:"اسی طرح ان سے پہلوں کے پاس بھی جب کوئی رسول آیا تو انہوں نے یہی کہا کہ یہ جادو گر یا دیوانہ ہے"۔

ساحر کا طعنہ دینا تبھی درست ہو سکتا ہے جبکہ انسانیت پہلے سے اس کام سے متعارف ہو اور جب ہر رسول کو قوم کی طرف سے اس تہمت کا سامنا کرنا پڑا ہے تو اس سے کم از کم یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سحر کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی رسالت کا تسلسل قدیم ہے۔

---

[1] الذاریات، رقم الایۃ 52.

سحر کرنے کا شرعی حکم

اس بات پر امت کا اجماع واتفاق ہے کہ سحر مذموم، حرام اور ناجائز امور میں سے ایک ہے، اس کی بعض تفصیلات وجزئیات میں آراء کا اختلاف بھی ہے لیکن فی نفسہ اس کی حرمت میں اختلاف نہیں ہے۔ قرآن وحدیث کے دسیوں نصوص میں اس کی مذمت وممانعت کی گئی ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے:

"عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "اجتنبوا الموبقات: الشرك بالله، والسحر"[1]

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو: (یعنی) اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنے سے اور سحر سے"۔

"صحیح مسلم" میں ہے:

"عن أَنس، عن النبي صلى الله عليه وسلم في الكبائر، قال: «الشرك بالله، وعقوق الوالدين، وقتل النفس، وقول الزور"[2]

ترجمہ: "حضرت انسؓ حضور نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے کبیرہ گناہوں کے بارے میں فرمایا کہ (وہ): اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنا، ناحق کسی کو قتل کرنا اور جھوٹی بات کہنا ہیں"۔

---

[1] صحیح البخاري باب الشرک والسحر من الموبقات، ج7 ص137 رقم الحدیث 5764.

[2] صحیح مسلم، باب بیان الکبائر وأکبرھا، ج1 ص91 رقم الحدیث 143.

ان جیسی روایات و نصوص کی وجہ سے تمام اہل علم اور پوری امت سحر کو کبیرہ گناہوں کی فہرست میں داخل سمجھتی ہے۔امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فعمل السحر حرام وهو من الكبائر بالإجماع وقد سبق في كتاب الإيمان أن رسول الله صلى الله عليه وسلم عده من السبع الموبقات وسبق هناك شرحه ومختصر ذلك أنه قد يكون كفرا وقد لايكون كفرا بل معصيته كبيرة فإن كان فيه قول أو فعل يقتضي الكفر كفر وإلا فلا وأما تعلمه وتعليمه فحرام فإن تضمن ما يقتضي الكفر كفر وإلا فلا وإذا لم يكن فيه ما يقتضي الكفر عزر واستتيب منه ولا يقتل عندنا"[1]

ترجمہ:"سحر کرنا حرام ہے اور بالاجماع کبیرہ گناہ ہے، کتاب الایمان میں یہ بات گزر چکی کہ آپ ﷺ نے اس کو سات ہلاک کردینے والی چیزوں میں سے شمار کیا ہے، وہاں وضاحت ہوچکی ہے،اس کا خلاصہ یہ ہے کہ سحر کبھی کفر ہوتا ہے اور کبھی کفر تو نہیں ہوتا لیکن گناہِ کبیرہ سے کسی صورت خالی نہیں، پس اگر اس میں کوئی قول یا فعل کفر کا موجب ہو، تو اس سے آدمی کافر ہوگا ورنہ نہیں،اور رہا اس کا سیکھنا سکھانا، تو وہ بھی حرام ہے۔اور اگر اس میں موجب کفریات ہو تو اس کے کرنے سے کافر ہو جائے گا اور اگر کوئی مقتضی کفریات نہ ہو، تو اسے سزا دینا اور توبہ کا مطالبہ کرنا ضروری ہے ہمارے نزدیک قتل نہیں کیا جائے گا"۔

---

[1] شرح النووي على مسلم باب السحر، ج14ص174.

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ وغیرہ اہل علم نے بھی اس عبارت کو تائید کے ساتھ نقل فرمایا ہے۔

سحر میں گناہ کے عناصر

سحر کے تعارف میں جو عبارات ذکر کی گئیں ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ سحر کے عمل میں گناہ ومنکر کے درج ذیل عناصر ہیں:

الف: سحر کے کام سے مناسبت اور اس میں مہارت پیدا کرنے کے لئے مختلف ایسے کام کرنے پڑتے ہیں جو شرعی نقطہ نظر سے ناجائز وحرام ہوتے ہیں۔

ب: عملی طور پر کسی واقعہ میں سحر کرنے کے لئے شیاطین سے مدد لی جاتی ہیں اور ان سے تعاون حاصل کرنے کے لئے ان کو خوش کیا جاتا ہے اور اس کے لئے مختلف حرام کاموں کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔[1]

ج: سحر سے عام طور پر جو مقصود ہوتا ہے، وہ بھی حرام وناجائز ہی ہوتا ہے مثلاً کسی کو پریشان وہراساں کرنا، کسی کو بلاوجہ جانی، مالی نقصان پہنچانا، میاں بیوی کے درمیان تفریق پیدا کرنا، وغیرہ۔

ان میں سے پہلی دو مرحلوں پر جو کام کئے جاتے ہیں، وہ حرام تو ہوتے ہی ہیں، لیکن بہت مرتبہ اس میں متعدد ایسے کام کرنے کی بھی نوبت

---

[1] ان موقعوں پر کن کن منکرات اور کس کس طرح ارتکاب کیا جاتا ہے، یہاں اس کی تفصیل مقصود ہے نہ موضوع بحث۔ عملیات کے طریقہ کار سے متعلق مبسوط کتابوں میں اس کی تفصیلات موجود ہیں، اس لئے اس کے لئے انہی کتب کی طرف مراجعت کی جائے، ایک عرب عالم جناب "وحید بن عبد السلام بالی" صاحب زید مجدہم نے الصارم البتار میں بقدر ضرورت تفصیلات ذکر کی ہے، اس کی مراجعت بھی فائدے سے خالی نہیں ہے۔

آجاتی ہے جو شرعی لحاظ سے کفر یا شرک کے باعث ہوتے ہیں جبکہ تیسری عنصر میں جو کام ہوتے ہیں، وہ عموماً کفر یا شرک کا موجب تو نہیں ہوتے لیکن اس کی مذمت و حرمت میں بھی کوئی شبہ نہیں ہے۔

جادو کی حقیقت ہے یا نہیں؟ جمہور کا موقف

جمہور اہل سنت کا نظریہ یہ ہے کہ سحر کی مختلف قسمیں ہیں: بعض قسمیں ایسی ہیں جہاں صرف دیکھنے والوں کو دھوکہ دیا جاتا ہے اور ساحر ان پر اپنے مقصد کے مطابق نظر بندی کر دیتا ہے جس کی وجہ سے ان کو وہ چیزیں دکھائی دیتی ہیں جو ساحر دکھلانا چاہتا ہے لیکن حقیقت میں کچھ نہیں ہوتا۔ جبکہ بعض قسمیں ایسی بھی ہیں جن کی وجہ سے حقیقت میں بھی وہ سارا کچھ ہو جاتا ہے جو ساحر حاصل کرنا چاہتا ہے۔

معتزلہ کا موقف اور ان کے دلائل

عام معتزلہ اور بعض دیگر لوگوں کا خیال یہ ہے کہ سحر کی کوئی واقعی حقیقت نہیں ہے اور اس کی وجہ سے خارج میں کچھ نہیں ہوتا بلکہ محض شاہدین و حاضرین پر نظر بندی کی جاتی ہے جس کی وجہ سے ان کو بہت کچھ ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے، مثال کے طور پر وہ دیکھتے ہیں کہ ساحر کے ہاتھ سے لاٹھی گرتے ہی سانپ کی روپ اختیار کر گئی اور کسی شخص کے پیچھے دوڑنے لگی لیکن حقیقت میں وہ لاٹھی اپنی جگہ پڑی رہتی ہے، نہ سانپ کی صورت دھار لیتی ہے نہ بھاگ دوڑ سے کوئی واسطہ رکھتی ہے [1]۔

---

[1] فقہائے شوافع میں سے علامہ ابو جعفر استر ابازی، ائمہ احناف میں سے امام ابو بکر جصاص رازی اور علامہ ابن حزم ظاہری کا بھی یہی موقف ہے، علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ وغیرہ نے ان حضرات کا یہ موقف نقل کیا ہے (فتح الباری، باب

ان حضرات کے بنیادی دلائل دو ہیں: ایک نقلی اور دوسرا عقلی۔ نقلی دلیل تو وہ قرآن کریم کے وہ نصوص ہیں جو حضرت موسی علیہ الصلاۃ والسلام اور فرعون کے واقعے میں وارد ہوئے ہیں اور جن میں یہ صراحت ہے کہ فرعون کے کہنے پر جادوگروں نے جب اپنی رسیاں اور لاٹھیاں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر حاضرین مجلس کو یہ خیال ہوا کہ وہ سانپ بن کر دوڑنے لگ گئیں، چنانچہ "سورۃ طہ" میں ہے:

{فَإِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَى} [طه: ٦٦][1]

ترجمہ: "پس اچانک ان کی رسیاں اور لاٹھیاں ان کے جادو سے اس کے خیال میں دوڑ رہی ہیں"۔

اس سے معلوم ہوا کہ سحر کی وجہ سے واقعۃ وہ لاٹھیاں سانپ نہیں بن گئیں بلکہ محض دیکھنے والوں ہی کو غلط فہمی ہونے لگی کہ لاٹھیاں بن کر دوڑتی ہیں۔

عقلی اور استدلالی نوعیت کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ انقلاب حقیقت ممکن نہیں ہے اور ہر حادث کے لئے محدث ضروری ہے، لہٰذا یہ ممکن نہیں ہے کہ ایک چیز لاٹھی کی حقیقت چھوڑ کر سانپ کی صورت دھار لے یا کسی سبب اور عنصر کے بغیر کسی کے بدن میں خوشی وغمی یا مرض وصحت کی صورت پیدا ہو جائے۔

السحر، ج۱۰ص ۲۲۲) امام جصاص رازی رحمہ اللہ نے "احکام القرآن" میں سورہ بقرہ کی آیت کریمہ "واتبعوا ما تتلوا الشیاطین" کی تفسیر میں اس پر تفصیلی کلام فرمایا ہے۔

[1] طه ،رقم الایة 66.

ان دلائل کا علمی جائزہ

پہلی دلیل تو اس لئے مخدوش ہے کہ درج بالا نص اور اس میں ذکر کردہ قصہ کی حیثیت واقعہ حال سے زیادہ نہیں ہے اور ایک جزوی واقعہ سے کلی استدلال کرنا کسی طرح درست نہیں ہے۔ چنانچہ یہ عین ممکن بلکہ واقع ہے کہ سحر کی بعض صورتوں میں صرف نظر بندی اور ملمع سازی ہی ہو اور ساحرانِ فرعون نے اسی نوعیت کا سحر کیا ہو لیکن اس سے یہ دعویٰ کرنا کہاں درست ہو سکتا ہے کہ سحر کی کوئی قسم بھی مفید مطلب نہیں ہوتی اور ہر قسم صرف نظر بندی ہی تک محدود و مقید ہوتی ہے! جبکہ خود نصوص سے بھی ثابت ہے اور عملی مشاہدہ و تجربہ بھی اس بات کی تائید کرتا ہے کہ سحر کی بعض صورتیں کارگر ثابت ہوتی ہیں اور اس کے سہارے ساحر واقعۃً اپنا مقصود حاصل کر لیتا ہے، چنانچہ قرآن کریم میں "نفثت فی العقد" کے شر سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے اور اکثر مفسرین کے نزدیک اس سے سحر کرنے والی عورتیں مراد ہیں، ان کا اکثر شر یہی سحر ہی تھا، اب اگر سحر کوئی واقعی اور حقیقی چیز نہیں ہے تو ان کے شر سے پناہ مانگنے کی کیا ضرورت محسوس ہوئی! بخاری وغیرہ کتب صحاح میں یہ روایت مذکور ہے کہ حضور ﷺ پر کچھ یہودیوں نے سحر کیا تھا اور آپ ﷺ کے جسم مبارک پر اس کا ایک حد تک اثر بھی ہوا تھا۔

حضرت قاضی عیاض صاحب رحمہ اللہ، امام مازری کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں:

"قال الإمام: أهل السنة وجمهور العلماء من الأمة على إثبات السحر، وأن له حقيقة كحقائق غيره من الأشياء الثابتة خلافاً لمن

أنكره ونفى حقيقته وأضاف ما يتفق منه إلى خيالات باطلة لا حقائق لها. وقد ذكر الله - سبحانه - فى كتابه العزيز، وذكر أنه مما يتعلم، وذكر ما يشير إلى أنه مما يكفر به، وأنه يفرق به بين المرء وزوجه، وهذا كله لا يمكن أن يكون فيما لا حقيقة له، وكيف يتعلم ما لا حقيقة له وهذا الحديث فيه - أيضاً - إثباته، وأنه أشياء دفنت وأخرجت، وهذا كله يبطل ما قالوه.

والذى يعرف [بالعقل] من هذا أن إحالة كونه من الحقائق محال، وغير مستنكر فى العقل أن يكون البارى - سبحانه - يخرق العادات عند النطق بكلام ملفق أو تركيب أجسام، أو المزج بين قوى على ترتيب ما لا يعرفه إلا الساحر. ومن يشاهد بعض الأجسام منها قتالة كالسموم، ومنها مسقمة كالأدوية الحادة، ومنها مصحة كالأدوية المضادة للمرض، لم يبعد فى عقله أن ينفرد الساحر بعلم [قوى قتالة] أو كلام مهلك أو مؤد إلى التفرقة".[1]

ترجمہ: "امام رازیؒ نے فرمایا کہ: جمہور علماء امت اور اہلِ سنت اس بات کے قائل ہیں کہ سحر ثابت ہے اور دوسری ثابت حقیقتوں کی طرح اس کی بھی ایک حقیقت ہے، بر خلاف ان لوگوں کے جنہوں نے اس کا انکار کیا اور اس کی حقیقت کی نفی کی ہے، اور سحر کے ذریعے ہونے والے کاموں کو بے حقیقت باطل خیالات کی طرف منسوب کیا۔ مگر تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ عزیز میں اس کا ذکر فرمایا ہے اور یہ بھی

---

[1] اِکمال المعلم بفوائد مسلم، ج7ص86.

ذکر ہے کہ یہ ایسی چیز ہے جو سیکھی جاسکتی ہےاور یہ اشارہ بھی ذکر کیا ہے کہ اس کے ذریعے آدمی کافر بھی ہوسکتا ہےاور یہ میاں بیوی کے درمیان پھوٹ بھی ڈالتاہے،اب یہ سب ایک بے حقیقت چیز سے کیسے ممکن ہیں اور جس چیز کی حقیقت نہ ہواس کوکیسے سیکھا جائے گااور اس حدیث میں بھی اس کا ثبوت ہے کہ وہ کچھ چیزیں تھی جودفن کی گئی تھیں اور نکالی گئیں۔یہ سب ان کے قول کو باطل کرتاہے۔

علاجِ سحر کے لئے سحر کرنا

مسئلہ: سحر کی وجہ سے اگر کوئی شخص متاثر ہوجائےاور کسی تکلیف میں مبتلا ہوجائے توجس طرح دیگر تمام امراض وتکالیف سے علاج وتدبیر کرنا جائز ہے یوں ہی یہاں بھی جائز ہے کہ اس تکلیف سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے کوئی تدبیر اختیار کرے،البتہ علاج سحر کے لئے سحر کرنا جائز نہیں ہے،کتابوں میں جو"نشرہ" کی مذمت وممانعت ذکر کی گئی ہے،اس کا حاصل یہی ہے کہ اپنے آپ کو سحر کے اثرات سے بچانے کے لئے سحر کاارتکاب کیاجائے۔

مسئلہ: جس طرح ہاتھ، پاؤں وغیرہ کے ذریعے کسی مسلمان کوتکلیف پہنچانا حرام اور ممنوع ومذموم ہے یوں ہی سحر اور تعویذ وغیرہ کے ذریعے بلا وجہ کسی کو اذیت پہنچانا، جانی یامالی نقصان سے دوچار کرنے کی کوشش کرنا حرام اور مذموم ہے۔بلکہ بعض پہلوؤں کے لحاظ سے سحر کے سہارے ایسا کرنا زیادہ خطرناک اور گناہ کا باعث ہے۔

مسئلہ: سحر کے ذریعے سحر زدہ شخص بیماری سے بھی دوچار ہوسکتاہےاوراس کی بعض صورتوں کی وجہ سے سحر زدہ شخص کامرنا بھی ممکن ہے۔مثال کے طورپر سحر

کی وجہ سے جو مرض طاری ہو جاتا ہے وہ مہلک ہو اور قتل یا موت کا باعث بنے، یا جنات کو مسلط کر دیا جائے اور وہ کسی صورت میں قتل کر ڈالیں یہ سب صورتیں ممکن ہیں اور ان کے سخت ناجائز اور کبیرہ گناہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے، البتہ اس صورت میں قصاص، دیت، کفارہ کا حکم کیا ہو گا یہ ایک گہرے غور و فکر کا متقاضی مسئلہ ہے جس کو یہاں ذکر کرنا مقصود نہیں ہے، تفصیل کے لیے اس ناکارہ کی کتاب "فقہی مضامین و مقالات"[1] ملاحظہ فرمائیں۔

سحر سیکھنے کا حکم

مسئلہ: سحر سیکھنا کیسا ہے؟ اس میں یہ تفصیل ہے کہ:

الف: اگر اس میں عملی طور پر کسی ناجائز کام کا ارتکاب کرنا پڑے یا کسی غلط خیال و اعتقاد کے ساتھ اس کو حاصل کیا جائے، مثلاً سحر کرنے کو مباح خیال کرنا، یا نجوم وغیرہ کی تاثیر کا نظریہ وغیرہ۔ تو ظاہر ہے کہ ایسا کرنا بالکل ناجائز و ممنوع ہے۔

ب: اگر کسی منکر کا ارتکاب نہ کرنا پڑے اور پھر کوئی اس لئے سیکھنا چاہے کہ اس سے خود بچے یا لوگوں کو بچانے کی اہتمام کرے تو اس میں مضائقہ نہیں ہے۔

ج: کوئی اس لئے سیکھنا چاہتا ہے کہ عملی طور پر اس سے کام لیتا رہے تو اس کے حرام و مذموم ہونے میں شبہ نہیں ہے۔

---

[1] مختلف اوقات میں لکھی گئی یہ تقریباً دو صد کے قریب فقہی، کلامی، اور اصولی مقالات و مضامین کا موقر مجموعہ ہے، جن میں سے بعض مضامین وقتاً فوقتاً مختلف دینی مجلات اور جرائد میں شائع بھی ہو چکے ہیں، کتاب فی الحال زیر طبع ہے، اللہ کرے کہ جلد زیور طبع سے آراستہ ہو۔ عادل رضا

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح رہے کہ ماہرین اہل علم کے نزدیک تجرباتی طور پر سحر سیکھنے میں منکرات کاارتکاب کرنا ہی پڑتا ہے۔

امام قدوری رحمہ اللہ اپنی مفید و مبسوط کتاب "تجرید" میں فرماتے ہیں:

"قلنا: إذا تعلم السحر ليتخير ويتحرز منه فليس بكفر فإن تعلمه معتقدًا لصحته فهو كفر، وتعلم الزنا لاجتنابه ليس بفسق وإن تعلمه ليعمل فهو فسق. لا فرق بين الزنا وبين ما استشهد به مخالفنا على أن تعلم السحر فهو في الغالب لا يقع إلا على وجه المنكر لأن السحرة تزعم أن من عمل ذلك غير معتقد لصحته ولتعظيم الكواكب والتصديق بأنها تضر وتنفع لم يصح له ما يفعله فالتعلم في الغالب لا يقع من الاعتقاد الذي يفكر به."[1]

ترجمہ: "جب سحر اس لئے سیکھے کہ صحیح اور غلط کا فرق کرے تو یہ کفر نہیں ہے، پس اگر صحیح ہونے کے اعتقاد کے ساتھ اس کو سیکھے تو یہ کفر ہے اور زنا کا بغرضِ اجتناب سیکھنا فسق نہیں ہے، لیکن زنا کرنے کے لئے سیکھے تو یہ فسق ہے۔ زنا اور جس کے ذریعے ہمارے مخالف نے استدلال کیا دونوں کے مابین کوئی فرق نہیں کہ سحر غالب اور اکثر ناجائز طریقے پر سیکھا جاتا ہے، اس لئے کہ ساحر لوگوں کا یہ خیال ہے کہ جس کا عقیدہ سحر کو صحیح سمجھنے کا نہ ہو اور ستاروں کی تعظیم نہ کرتا ہو اور اس بات کی تصدیق نہ کرتا ہو کہ سحر نفع و نقصان پہنچاتا ہے تو اس کے لئے اس کا سیکھنا مفید نہیں ہے، پس سحر کا سیکھنا اکثر کفری اعتقاد سے خالی نہیں ہوتا"۔

---

[1] التجريد للقدوري، مسئلة 1389 اعتقاد الساحر صحة سحره، ج 11 ص 5826.

کیا سحر کفر ہے؟

نصوص میں سحر اور ساحر کی بہت مذمت وارد ہوئی ہے، بعض جگہ اس کو مارنے اور قتل کرنے کا بھی ذکر ہے، اسی طرح سحر کے کام کرنے میں بہت سے ایسے امور کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے جو موجب شرک یا باعث کفر ہوتے ہیں۔ان جیسی وجوہات کی بناء پر متعدد اہل علم کا یہ موقف رہا ہے کہ سحر بہر صورت کفر ہے اور ساحر بہر حال کافر ہے، لیکن حقیقتِ حال یہ ہے کہ سحر کی مختلف قسمیں ہیں اور خود سحر لعینہ شرک یا کفر نہیں ہے البتہ سحر کرنے میں اگر کہیں کسی ایسے کام کا ارتکاب کرنا پڑے جو واضح طور پر موجب شرک ہو تو اس کو شرک قرار دیا جائے گا اور اگر کوئی واضح باعث کفر اقدام کر ڈالے تو کفر کہا جائے گا۔ الحاصل سحر بذات خود کفر ہے نہ شرک، البتہ اس میں جس طرح اقدام کرنے کی نوبت آئے گی، اسی کے مطابق حکم لاگو ہوگا۔ کفریہ عمل کو کفر اور شرکیہ اقدام کو شرک قرار دیا جائے گا۔ امام ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ثم السحر يكون على وجهين: سحر يكفر به صاحبه؛ فإن كان ذلك منه بعد الإسلام، يُقْتل به صاحبُه؛ لأَنه ارتداد منه. وسحرٌ لا يكفر به صاحبه؛ فلا يقتل به، إلا أَن يسعى في الأَرض بالفساد: من قتل الناس، وأَخذ الأَموال. فهو كقاطع الطريق، يُحكم بحكمهم من القتل وسائر العقوبات، وإذا تاب قُبِلت توبتُه."[1]

---

[1] تأويلات أهل السنة: ج ۱ ص ۵۲۵.

ترجمہ: "پھر سحر دو قسمیں ہیں: ایک سحر وہ ہے جس سے انسان کافر ہو جاتا ہے، پس اگر اس قسم کے سحر کا ارتکاب اسلام لانے کے بعد کرے، تو اسے ارتداد کی وجہ سے قتل کیا جائے گا۔ دوسری قسم وہ ہے کہ جس سے آدمی کافر نہیں ہوتا، لہذا اس کی وجہ سے اسے قتل نہیں کیا جائے گا، البتہ اگر زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کرے جیسے لوگوں کو قتل کرنا، ان کے اموال لینا، ایسے میں وہ ڈاکو کی طرح سمجھا جائے گا اور انہی کے احکام قتل اور دیگر سزائیں ان پر بھی جاری کی جائیں گی اور اگر وہ توبہ کرے تو اس کا توبہ (دنیوی احکام میں بھی) قبول کیا جائے گا"۔

علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ نے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا موقف یہ نقل فرمایا ہے کہ سحر بذات خود کفر نہیں ہے جب تک کوئی کفریہ عقیدہ شامل نہ ہو، اور پھر اسی کو قول ترجیح دی ہے، چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

"وعند الشافعي إن اعتقد ما يوجب الكفر مثل التقرب إلى الكواكب، وأنها تفعل ما يلتمسه كفر... ويجب أن لا يعدل عن مذهب الشافعي في كفر الساحر والعراف وعدمه. وأما قتله فيجب ولا يستتاب إذا عرفت مزاولته لعمل السحر لسعيه بالفساد في الأرض لا بمجرد عمله."[1]

ترجمہ: "امام شافعیؒ کے نزدیک اگر کوئی موجبِ کفر عقیدہ رکھے جیسے ستاروں کا تقرّب حاصل کرنا یا یہ سمجھنا کہ جو میں چاہوں ستارے وہ کر دیتے ہیں، تو کافر ہوگا۔ اور ضروری ہے کہ ساحر اور عراف کے کافر ہونے نہ ہونے میں امام شافعیؒ کے مذہب سے عدول درست نہیں جب یہ معلوم ہو جائے کہ ایک شخص زمین میں فساد پھیلانے

---

[1] فتح القدیر للکمال ابن الھمام، باب البغاۃ، ج6ص 99 .

کے لئے ہی سحر کا عمل کرتا ہے تو پکڑے جانے پر توبہ طلب کیے بغیر اس کا قتل کرنا واجب ہے۔

علامہ ابن حجر ہیتمی شافعی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

"مذهبنا في السحر ما بسطناه فيما مرَّ. وحاصله أنه إن اشتمل على عبادة مخلوق كشمس أو قمر أو كوكب أو غيرها أو السجود له أو تعظيمه كما يعظم الله سبحانه وتعالى، أو اعتقاد أن له تأثيراً بذاته أو تنقيص نبي أو ملك بشرطه السابق، أو اعتقد إباحة السحر بجميع أنواعه كان كفراً وردة، فيستتاب الساحر فإن تاب وإلا قتل."[1]

ترجمہ: "سحر کے بارے میں ہمارے مذہب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر وہ کسی مخلوق جیسے سورج، چاند، اور ستارے وغیرہ کی عبادت یا سجدہ پر مشتمل ہو یا اس میں اس کی اللہ تعالیٰ جیسی تعظیم ہو یا اس کے ساتھ یہ عقیدہ ہو کہ اس میں ذاتی طور پر تاثیر ہے یا اس میں سابقہ شرط کے ساتھ کسی نبی یا فرشتے کی تنقیص ہو یا سحر کے تمام اَقسام کے مباح ہونے کا عقیدہ ہو، تو ان سب صورتوں میں کفر اور ارتداد سمجھا جائے گا، اس لئے اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا، توبہ کرے تو ٹھیک، ورنہ قتل کیا جائے گا"۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ نے اپنے ایک مفید رسالہ میں سحر کی طویل تحقیق فرمائی ہے، اس کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں:

"قد عُلم بِما قرّرنا أنّ السّحر لا يلزم أن يكون كفرا ما لم يقترنْ بمكفِّر مِن قول أو فعل أو اعتقاد."[2]

---

1 الإعلام بقواطع الإسلام، ص 221.

2 سلّ الحسام الهندي في نصرة سيدنا خالد النقشبندي، مجموعة رسائل ابن عابدين، ج 2 ص 303.

ترجمہ: "سحر جب تک کسی موجبِ کفر قول، فعل یا عقیدے پر مشتمل نہ ہو تو سحر محض سحر موجب کفر نہیں"۔

"کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم" میں قاضی تھانوی ؒ فرماتے ہیں:

"فإن كان كفرا في نفسه كعبادة الكواكب أو انضم معه اعتقاد تأثير من غيره تعالى كفر صاحبه وإلّا فسق وبدع."[1]

ترجمہ: "(سحر) اگر فی نفسہ کفر ہو جیسے ستاروں کی عبادت یا اس کے ساتھ غیر اللہ کی تاثیر کا عقیدہ ملے، تو اس کا مرتکب کافر ہو گا ورنہ فاسق اور بدعتی ہو گا"۔

کیا شعبدہ بازی سحر ہے

شعبدہ بازی کا معنٰی یہ ہے کہ ہاتھ سے صفائی لے کر عجیب وغریب کرتبیں دکھائے جائیں یا لوگوں پر نظر بندی کرکے ایسے کارنامے دکھائے جائیں، اس کو ہمارے ہاں کرتب بازی اور مداری پن بھی کہا جاتا ہے۔اس کے حکم سے متعلق اہل علم کی رائے مختلف معلوم ہوتی ہے، چنانچہ "در مختار" وغیرہ کتب میں "شعوذہ" یا "شعبدہ" کو حرام علوم کی فہرست میں سے شمار کیا ہے اور اس کی تفسیر یہی کی ہے جو ابھی درج کی گئی، علامہ شامی رحمہ اللہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

" (قوله: والشعبذة) وهي لعب يرى الإنسان منها ما ليس له حقيقة كالسحر. اه.. ابن عبد الرزاق. وأفتى العلامة ابن حجر في أهل الحلق في الطرقات الذين لهم أشياء غريبة كقطع رأس إنسان وإعادته وجعل نحو دراهم من التراب وغير ذلك بأنهم في معنى

---

[1] کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم، ج1 ص935.

السحرة إن لم يكونوا منهم، فلا يجوز لهم ذلك ولا لأحد أن يقف عليهم، ثم نقل عن المدونة من كتب المالكية أن الذي يقطع يد الرجل أو يدخل السكين في جوفه إن كان سحرا قتل وإلا عوقب."[۱]

ترجمہ: "شعبدہ بازی ایک کرتب ہے اس کے ذریعے انسان ایسی چیزیں دیکھتا ہے جن کی کوئی حقیقت نہ ہو، جیسے کہ سحر میں بھی ایسا ہوتا ہے۔ علامہ ابن حجرؒ نے حلقے بنا کر راستے میں کھڑے ہونے والوں کے بارے میں فتویٰ صادر فرمایا ہے کہ اگر حقیقتاً ساحر نہیں، تو ان کے حکم میں ہیں، یہ ان کے لئے جائز نہیں ہے، نہ دوسروں کے لئے ان کے پاس کھڑا ہونا جائز ہے۔ یعنی جو عجیب وغریب کرتب دکھاتے ہیں، جیسے انسان کا سر کاٹنا اور دوبارہ لوٹانا اور مٹی سے دراہم بنانا وغیرہ۔ اس کے بعد انہوں نے حضراتِ مالکیہ کی کتابوں "مدونہ" نقل کیا ہے کہ جو کسی کا ہاتھ کاٹتا ہے یا اپنے پیٹ میں چھری گونپھتا ہے، تو اگر یہ سحر ہو، تو قتل کیا جائے گا، ورنہ سزا دی جائے گی"۔

علامہ ساجقلی زادہ مرعشی تحریر فرماتے ہیں:

"وأما الشعبذة: فهي اراءة الشيء في رأي العين بغير ما عليه حقيقته بسبب خفة يد المباشر لذلك الشيء كما في القاموس، فيحرم علمه لأنه لعب."[۲]

---

[1] الدر المختار وحاشية ابن عابدين، مقدمة وج1 ص43.

[2] ترتيب العلوم للمرعشي، ص112 .

ترجمہ: "شعبدہ بازی دراصل مداری کے ہاتھ کی چالاکی ہے جس کی وجہ سے ایک چیز اپنی حقیقت کے برخلاف دکھاتا ہے۔ چونکہ یہ ایک فضول اور عبث کام ہے اس لئے اس کا سیکھنا حرام ہے"۔

سعودی عرب "فتویٰ کمیٹی" کے علماء نے اس کو حرام و ممنوع کا فتوی دیا ہے، بلکہ ساحران فرعون نے جو جادو کیا تھا، اس کی یہی تشخیص کی ہے کہ وہ اس نوعیت کا جادو تھا۔ چنانچہ "فتاوی اللجنہ" میں ہے:

"إن ما يعمله بعض السفهاء من الناس من تكسير الصخور على صدورهم، والنوم على المسامير والآلات الحادة، وثني الحديد بأعينهم، وسحب السيارات بشعورهم أو أسنانهم، وأكل الأمواس والزجاج. . . إلى غير ذلك من الأمور الخارجة عن العادة البشرية – كل ذلك يعتبر من الدجل والشعوذة والسحر، وهو من عمل سحرة فرعون، كما قال الله عز وجل في سورة الأعراف: {فَلَمَّا أَلْقَوْا سَحَرُوا أَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوهُمْ وَجَاءُوا بِسِحْرٍ عَظِيمٍ} ..وبناء عليه لا يجوز فعل هذه الأعمال، ولا تعلمها ولا نشرها ولا التشجيع عليها، والواجب محاربتها والتبليغ عن فاعليها ومعاقبتهم."[1]

ترجمہ: "لوگوں میں سے بعض ناواقف جو سینہ پر پتھر توڑنے، کیلوں اور تیز آلات کے اوپر لیٹنے، آنکھوں سے لوہے کے موڑنے، اپنے دانوں یا بالوں سے گاڑیوں کے

---

[1] فتاوی اللجنۃ الدائمۃ 2، ج1ص190.

کینچی اور بلیڈ اور شیشوں کے کھانے وغیرہ انسانی عام عادت سے ہٹ کر کام کرتے ہیں، ان سب کو دجل، شعبدہ بازی اور سحر سمجھا جائے گا اور یہ کام ساحرانِ فرعون کے کاموں میں سے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ سورہ اعراف میں فرمایا: } جب انہوں نے ڈالا تو لوگوں کی نظر بندی کر دی اور انہیں ڈرایا اور اک طرح کا بڑا جادو دکھایا { اس بناء پر یہ کام جائز نہیں ہے نہ اس کا سیکھنا، پھیلانا اور حوصلہ افزائی جائز ہے، بلکہ اس کے خلاف جنگ اور اس کے کرنے والوں کے بارے میں اور ان کے انجام بد سے لوگوں کو واقف کرانا ضروری ہے"۔

لیکن متعدد اہل علم کے ہاں اس کی نفسہ اجازت ہے، چنانچہ تفسیر بیضاوی میں ہے:

"وأما ما يتعجب منه كما يفعله أصحاب الحيل بمعونة الآلات والأدوية أو يريه صاحب خفة اليد فغير مذموم، وتسميته سحراً عمل التجوز، أو لما فيه من الدقة لأنه في الأصل لما خفي سببه."[1]

ترجمہ: "جن چیزوں سے حیرت ہوتی ہے، جیسے کہ بعض کرتب باز مختلف آلات، اور دواؤں کے ذریعے یا بعض ہاتھ کے صفائی والے جو دکھاتے ہیں، تو یہ مذموم نہیں ہے اور اس کو سحر کا نام دینا مجازاً ہے۔

حضرت قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کی اس عبارت کو متعدد متاخرین اہل علم نے تائید و تقریر کے طور پر نقل فرمایا ہیں۔

---

[1] تفسير البيضاوي، ج1 ص98.

شعبدہ بازی کا تفصیلی حکم

ان دونوں مواقف اور ان کے دلائل پر غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ شعبدہ بازی کے فقہی حکم میں تفصیل مناسب ہے، ہر طرح کے کرتب دکھانے کی اجازت دی جاسکتی ہے اور نہ ہی ہر قسم کی ممانعت کرنا درست معلوم ہوتا ہے، وہ تفصیل یہ ہے کہ اگر کسی کرتب دکھائی اور شعبدی بازی میں درج ذیل عناصر میں سے کوئی عنصر پایا جائے تو وہ ناجائز ہے ورنہ ممنوع نہیں ہے:

الف: جنات وشیاطین کو راضی کرنا اور ان سے مدد حاصل کرنا۔

ب: کوئی منتر وغیرہ ایسا کلمہ پڑھا جائے جس میں کوئی ناجائز پہلو ہو یا اس کا معنیٰ ومفہوم ہی معلوم نہ ہو۔

ج: مقصود نامشروع ہو۔ مثال کے طور پر ان جیسے کرتب دکھانے کے بل بوتے اپنی بزرگی ظاہر کی جائے اور ان چیزوں کو "کرامات اولیاء" کے قبیل سے گردانا جائے، کسی کو ناحق ڈرایا دھمکایا جائے۔

د: جھوٹ اور غلط بیانی سے کام لیا جائے۔

ر: اس کی وجہ سے ضروری دینی حقوق میں خلل آجائے، مثال کے طور پر اتنی مشغولیت اختیار کی جائے کہ نماز یا جماعت فوت ہوجائے، یا اس کے بل بوتے لوگوں کے ضروری حقوق تلف ہوجائیں۔

اگر کہیں کسی کرتب دکھائی میں یہ چیزیں شامل ہوں تو اس کا کرنا، کرانا اور تماشا کرنا، تینوں چیزیں حرام ہیں جس سے بچنا اور اپنی حد تک لوگوں کو بچانے کا اہتمام کرنا لازم ہے اور اگر کہیں کوئی کرتب ان عناصر سے پاک بھی ہو تو بھی اگرچہ

وہ نفسہ ناجائز نہیں ہوگا، مگر چونکہ یہ ہے ایک بے فائدہ مشغلہ ،اس لئے ایک صحیح مسلمان کے لئے مناسب یہی ہے کہ ان جیسے بے فائدہ کاموں میں اپنا متاع زندگی نہ گنوائے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"عن علي بن حسين بن علي بن أبي طالب؛ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: «من حسن إسلام المرء تركه مالا يعنيه".[1]

ترجمہ:"حضرت علی بن حسین بن علی بن اَبی طالب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ :انسان کے اسلام کا حسن وخوبی یہ ہے کہ وہ فضول کام چھوڑ دے"۔

جنات سے تعلقات

مسئلہ: جنات کا وجود بھی برحق ہے اور ان کو انسانوں کو پریشان وہراساں کرنا،انسان کے بدن میں گھسنااور ان پر مسلط ہو جانا بھی بالکل درست وثابت ہے۔

مسئلہ: جنات کے ضرر وتکلیف سے بچنے کے لئے ہر ایسی تدبیر اختیار کرنا جائزہے جس میں کسی شرعی منکر کاارتکاب نہ کیاجائے۔

جنات کو حاضر کرنا

مسئلہ: جنات سے متاثر مریض پر جنات کو حاضر کیا جاتاہے اوران سے مختلف قسم کی باتیں پوچھی جاتی ہیں۔اس کا حکم یہ ہے کہ ناحق کسی مسلمان کو ہراساں کرنا سرکش جنات اور خبیث شیاطین ہی کاکام ہےاوران سے ہم کلام ہوناشرعاکوئی زیادہ

---

[1] موطأمالك ت الأعظمي، ماجاءفي حسن الخلق، ج5ص1328رقم الحديث3352.

پسندیدہ کام نہیں ہے، قرآن کریم میں شیاطین کے حاضر ہونے سے پناہ مانگنے کی تعلیم و تلقین کی گئی ہے، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

{وَقُلْ رَبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ وَأَعُوذُ بِكَ رَبِّ أَنْ يَحْضُرُونِ} [المؤمنون: ۹۷، ۹۸][1]

ترجمہ: "اور کہو اے میرے رب میں شیطانی خطرات سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور اے میرے رب میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس سے کہ شیطان میرے پاس آئیں"۔

زیادہ ہم کلام ہونے سے ان کی صحبت کا اثر پڑ جانے کا بھی اندیشہ ہے جس سے روحانی طور پر نقصان بھی متوقع ہے۔ نیز چونکہ ایسے جنات کی طبیعت میں شرارت و سرکشی کا پہلو غالب ہوتا ہے، اس لئے ان کی بتائی ہوئی باتوں پر یقین بھی نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا ان کو حاضر کرنا اور انہی کے زبانی تفصیلات معلوم کرنا کچھ زیادہ فائدہ مند بھی ثابت نہیں ہوتا۔ تاہم فی نفسہ ایسا کرنا ناجائز بھی نہیں ہے لیکن شرط یہ ہے کہ کسی ناجائز عمل کا سہارا لے کر حاضری کا عمل نہ کیا جائے۔

جنات سے کام لینا

اس کی درج ذیل مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں:

الف: ان سے کوئی ناجائز کام لیا جائے، مثلاً ناحق کسی کو جانی یا مالی نقصان سے دوچار کرنا، ڈرانا، وغیرہ۔ اس کا حکم تو واضح ہے کہ جس طرح خود ایسا کام کرنا اور دوسرے انسانوں سے کرانا ناجائز ہے یوں ہی جنات سے کروانا بھی ناجائز ہی ہے۔

---

[1] المؤمنون، رقم الایۃ 97،98.

ب: ان کی دلی رضامندی کے بغیر ان کو مسخر اور تابع کرنا اور ان سے اپنی خواہش و پسند کے موافق کام لینا۔ یہ بالکل ناجائز ہے، جس طرح کسی انسان کو اس کی دلی مرضی کے بغیر کسی کام پر مجبور کرنا اور ان کو اپنا تابع بنانا جائز نہیں ہے یوں ہی جنات کا بھی یہی حکم ہے۔

ج: کام لینے کے لئے ان کی منت سماجت کی جائے اور اس کی خاطر کسی معصیت یا کفریہ اقدام کا ارتکاب کیا جائے۔

د: کام بھی جائز ہے اور ان کی دلی رضامندی بھی شامل ہو اور اس میں کسی شرعی منکر پر عمل کرنے کی نوبت بھی نہ آئے۔ ایسی خدمت لینے کی فی نفسہ گنجائش ہے لیکن شرط یہ ہے کہ ایسا کرنے میں کوئی دینی مفسدہ غالب نہ ہو، مثال کے طور پر کل ان سے تعلق خاطر کی خاطر یا ان کے دباؤ میں آکر کوئی ناجائز اقدام کرنا پڑے۔

جنات سے مالی تعاون حاصل کرنا

مسئلہ: جنات سے مالی تعاون حاصل کرنے کی درج ذیل مختلف صورتیں ہیں:

الف: اپنا تابع بنا کر حاصل کیا جائے، چنانچہ بعض لوگ مختلف اعمال کر کر کے کسی جن کو مسخر کر لیتے ہیں اور پھر اس سے زبردستی نقد رقم حاصل کی جاتی ہے۔ یہ صورت تو بالکل ناجائز اور حرام ہے کیونکہ ایک تو خود اس طرح کسی کو زبردستی تابع فرمان اور اس کی آزادی سلب کرنا جائز نہیں ہے اور ساتھ جو مال وہ لا رہا ہے وہ بھی حلال نہیں ہے۔

ب: تابع بنائے بغیر وہ کوئی رقم دینا چاہے، اس صورت میں دونوں احتمال ہے کہ وہ اپنے حلال مال میں سے رقم دیتے ہوں یا دوسروں کا مال چھین چھپا کر دیتے ہوں، اب اگر کوئی قابل اعتماد قرینہ موجود ہو کہ اپنا حلال مال دلی رضامندی سے دینا چاہتے ہیں تو جائز ہونے میں کلام نہیں ہے اور اگر اس کا بر خلاف یہ معلوم ہو جائے کہ جو مال وہ دینا چاہتے ہیں وہ حرام ہے تو اس کے ناجائز و ممنوع میں بھی شبہ نہیں ہے۔

ج: اگر یہی صورت ہو لیکن یہ معلوم نہ ہو کہ وہ مال جو وہ دے رہے ہیں، حلال ہے یا حرام؟ تو درج ذیل وجوہات کی وجہ سے عدم جواز والے پہلو ہی کو اختیار کیا جائے گا:

۱۔ جنات کی طبیعت میں شرارت اور سرکشی کا مادہ غالب ہے، اس لئے زیادہ امید یہی ہے کہ کہیں سے مال چرا کر دیتے ہوں۔

۲۔ حلت و حرمت میں تعارض کے وقت حرمت ہی کے پہلو کو راجح قرار دیا جاتا ہے، اسی میں احتیاط زیادہ ہے۔

۳۔ اگر یہ تعاون ایسی چیز کی شکل میں ہو جو عموماً مباح نہ ملتا ہو جیسے نقد رقم، تو اس میں مزید حرمت کا پہلو نمایاں ہو جاتا ہے۔

جنات کو مارنا/جلانا

مسئلہ: جنات عقل و شعور رکھنے والی ایک مکلف مخلوق ہے، اس لئے ان کو بلا وجہ مارنا، قتل کرنا، جلانا یا نقصان پہنچانا جائز نہیں ہے، البتہ جس طرح دیگر مخلوق کے اصناف اگر انسانیت کو بلا وجہ ایذا دینے لگے اور ان کی ایذا و تجاوز سے بچنا ممکن نہ رہے

تو قتل کرنا جائز ہے یوں ہی اگر جنات کی تکلیف و شرارت بچنا ممکن نہ رہے تو اس مقصد کے لئے ان کو بھی قتل کرنا جائز ہے بلکہ خود کوئی انسان دوسرے انسان پر ایسا مسلط ہو جائے اور ناحق کسی کے جان ومال یا عزت وآبرو پر حملہ آور ہو جائے تو اس کے ظلم سے حفاظت کے ارادے سے اس کو مارنا جائز ہے، تاہم انسان ہو یا جن، اس کا قتل تب ہی جائز ہے جبکہ اس کے خلاف کوئی راستہ موجود نہ ہو اور قتل کئے بغیر ان کی شر سے بچنے کی کوئی اور تدبیر مفید ثابت نہ ہو سکے۔

علامہ بدر الدین شبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"قَالَ الشَّيْخ أَبُو الْعَبَّاس قتل الْجِنّ بِغَيْر حق لَا يجوز كَمَا لَا يجوز قتل الْإِنْس بِلَا حق وَالظُّلم محرم فِي كل حَال فَلَا يحل لأحد أَن يظلم أحدا وَلَو كَافِرًا قَالَ تَعَالَى {وَلَا يجرمنكم شنآن قوم على أَلا تعدلوا اعدلوا هُوَ أقرب للتقوى} وَالْجِنّ يتصورون فِي صور شَتَّى فَإِذا كَانَت حيات الْبيُوت قد تكون جنيا فتؤذن ثَلَاثًا فَإِن ذهبت فبها وَإِلَّا قتلت فَإِنَّهَا إِن كَانَت حَيَّة أَصْلِيَّة فقد قتلت وَإِن كَانَت جنية فقد اصرت على الْعدوان بظهورها للإنس فِي صُورَة حَيَّة تفزعهم بذلك والعادي هُوَ الصَّائِل الَّذِي يجوز دَفعه بِمَا يدْفع ضَرره وَلَو كَانَ قتلا فَأَما قَتلهمْ بِدُونِ سَبَب يُبِيح ذَلِك فَلَا يجوز وَالله تَعَالَى أعلم."[1]

---

[1] آكام المرجان في أحكام الجان، ص104.

ترجمہ: "شیخ ابوالعباسؒ نے فرمایا کہ: جنات کا ناحق قتل کرنا جاایسا ناجائز ہے جیسے کہ انسان کا ناحق قتل کرنااور ظلم بہر حال حرام ہے،اس لئے کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی پر ظلم کرے اگرچہ وہ کافر ہو،اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے: } اور کسی قوم کی دشمنی کا باعث انصاف کو ہر گزنہ چھوڑو انصاف کرو یہی بات تقویٰ کے زیادہ نزدیک ہے { اور جنات مختلف شکلیں اختیار کرتے ہیں گھروں کے سانپ بعض اوقات جن ہوتے ہیں،اس لئے تین مرتبہ اس کو خبردار کیا جائے گا،چلے گئے تو ٹھیک ،ورنہ قتل کئے جائیں گے،پس اگر وہ اصل سانپ تھاتو بس مارا گیااور اگر جن تھاتواس نے انسان کی شکل میں ظاہر ہو کر انسانوں کو پریشان کیااور دشمنی پر اصرار کیااور عادی اس حملہ آور کو کہتے ہیں جس کا دفع کرناایسے طریقے سے جائز ہو کہ جس سے اس کا ضرر دفع ہو چاہے وہ طریقہ قتل ہی ہو،لیکن بغیر کسی ایسے سبب کے ان کا قتل کرنا جو سبب ان کے قتل کو جائز کرتا ہو،جائز نہیں ہے،واللہ تعالیٰ اعلم"۔

"اشباہ" میں ہے:

"ومنها لا يجوز قتل الجني بغير حق كالإنسي. قال الزيلعي قالوا: ينبغي أن لا تقتل الحية البيضاء التي تمشي مستوية؛ لأنها من الجان لقوله عليه السلام {اقتلوا ذا الطفيتين والأبتر، وإياكم والحية البيضاء فإنها من الجن} وقال الطحاوي: لا بأس بقتل الكل؛ لأنه صلى الله عليه وسلم عاهد الجن أن لا يدخلوا بيوت أمته ولا يظهروا أنفسهم، فإذا خالفوا فقد نقضوا عهدهم فلا حرمة لهم.

والأولى هو الإنذار والإعذار فيقال لها: ارجعي بإذن الله تعالى أو خلي طريق المسلمين فإن أبت قتلها، والإنذار إنما يكون خارج الصلاة (انتهى)" .[1]

ترجمہ:"انسان کی طرح جن کا قتلِ ناحق بھی جائز نہیں ہے،امام زیلعی رحمہ اللہ بعض فقہاء سے نقل کرتے ہیں کہ: مناسب یہ ہے کہ سفید سانپ جو سیدھا چلتا ہو،اسے قتل نہ کیا جائے،کہ اکثر وہ جنات ہوتے ہیں،آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ: [کمر پر دو خطوں والا اور نیلا دم کٹا سانپ قتل کیا کرو،اور سفید سانپ کے قتل کرنے سے احتراز کرو کہ وہ جنات میں سے ہے]امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :ہر قسم سانپ قتل کرنا درست ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنات کے ساتھ معاہدہ کیا ہے کہ وہ امت کے گھروں میں داخل نہ ہوں گے اور نہ ان کے سامنے ظاہر ہوں گے۔جب وہ مخالفت کرے تو معاہدے کو توڑ بیٹھیں اور ان کوئی حرمت باقی نہیں رہے گی۔اور ان کا ڈرانا دھمکانا اولیٰ ہے اس طرح کہا جائے کہ اللہ کے حکم سے واپس ہو جاؤ اور مسلمانوں کا راستہ خالی کرو،اگر وہ انکار کرے تو قتل کردے اور ڈرانے کا یہ حکم نماز سے خارج کا ہے دروان نماز فورا قتل کیے جائیں گے۔

مرض معلوم کرنے کے مختلف طریقے

مسئلہ: آسیب، نظرِ بد اور سحر وغیرہ امور بھی حسی اور جسمانی بیماریوں اور امراض ہی کی طرح ہیں، لہٰذا جس طرح بدنی بیماریوں کے معلوم کرنے کے مختلف طریقے ہیں اور ان میں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں ہے یوں ہی ان امور کو معلوم کرنے کے لئے

---

[1] الأشباہ والنظائر لابن نجیم، باب أحکام الجان، ج3 ص412.

بھی مختلف وسائل سے استفادہ کرنا جائز ہے،البتہ اگر کوئی خاص طریقہ کار کسی شرعی منکر پر مشتمل ہو تو دوسری بات ہے۔

مسئلہ: سحر وغیرہ امراض معلوم کرنے کے لئے بعض لوگ مریض کی قمیص،بنیان وغیرہ ناپتے ہیں اوراس پر کچھ دم کرتے ہیں۔ مرض کی تحقیق یا بیماری کی تشخیص کے لئے اس طرح کرنے میں حرج نہیں ہے۔

مسئلہ: بعض لوگ مریض کے نام اوراس کے اعداد کا مخصوص طریقے سے حساب کرکے مرض کا سراغ لگانے کی کوشش کرتے ہیں،اس میں بھی بذات خود مضائقہ نہیں ہے۔

مسئلہ: بیماری معلوم کرنے کے لئے نبض دیکھنا بھی درست ہے،البتہ مرد عامل کے لئے غیر محرم عورت کے نبض پر ہاتھ رکھنا جائز نہیں ہے جبکہ دیگر طریقوں سے اس کا مرض بآسانی دریافت ہو سکتا ہو۔

کہانت: مفہوم، حکم اور قدیم وجدید صورتیں

عرب قبائل میں کہانت اور کاہنین کا بڑا رواج بلکہ راج تھا،ان کی تاریخ سے واقف کار افراد پر پوشیدہ نہیں ہے کہ ان کی معاشرت میں کہانت کا بڑا باعزت مقام اور بلند منصب تھا،مشکل اور گھمبیر قسم کے مسائل میں ان کا فیصلہ حتمی سمجھا جاتا تھا اور درپیش مشکلات وخطرات میں انہی کی طرف نگاہیں اٹھتی تھیں اور وہاں سے رہنمائی وہدایات حاصل کی جاتی تھیں۔

احادیث مبارکہ میں کہانت، عرافت اور کاہنین وعرافین کی بڑی مذمت وارد ہوئی ہے، کاہنوں کے پاس جانے اوران کی بات پر یقین وتصدیق کرنے کو کفر قرار

دیا گیا ہے، دسیوں نصوص میں اس کی ممانعت کی گئی ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کی مذمت وممانعت پر امت کا اتفاق ہے۔ البتہ کہانت کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی مذمت وممانعت کی اصل واساس کیا ہے؟ اور عصر حاضر میں اس کا کوئی وجود ہے یا نہیں؟ اگر اب بھی یہ موجود ہے تو اس کے مظاہر کیا کیا ہیں؟ یہاں ترتیب کے ساتھ انہی باتوں کو ذکر کرنا مقصود ہے۔

کہانت کا تعارف

یہ لفظ عموما غیب کی خبریں دینے اور مستقبل کے متعلق پیش گوئی کرنے کے معنٰی میں استعمال کیا جاتا ہے، چنانچہ قاموس میں ہے:

"كَهَنَ له، كمَنَعَ ونَصر وكَرُمَ، كَهانَةً، بالفتح،وتكَهَّنَ تكَهُّناً: قَضى۔ لـه بالغَيْـبِ، فهـو كـاهِنٌ.ج: كَهَنَـةٌ وكُهَّانٌ،وحِرْفَتُـه: الكِهانَـةُ، بالكسر.والكاهِنُ: مَن يَقومُ بأمْرِ الرَّجُلِ، ويَسْعَى في حاجَتِه.[1]

اس کی شرح "تاج العروس" میں ہے:

"كَهَنَ لَهُ، كمَنَعَ ونَصَرَ وكَرُمَ، كَهانَـةً..(قَضى۔ لَـهُ بالغَيْـبِ...وَفِي التَّوْشيحِ: الكَهانَةُ، بالفتْحِ ويَجوزُ الكَسْر: ادِّعاء عِلْم الغَيْبِ."[2]

جو شخص اس طرح غیب کی باتیں بتانے کو پیشہ کے طور پر اختیار کرے ،اس کو کاہن کہا جاتا ہے، "تعریفات" میں ہے:

---

[1] القاموس المحیط، فصل الکاف، ص1228.

57تاج العروس، ج36ص81.

"الكاهن: هو الذي يخبر عن الكوائن في مستقبل الزمان، ويدعي معرفة الأسرار ومطالعة علم الغيب."[1]

ترجمہ: کاہن اس شخص کو کہتے ہے، جو آئندہ زمانے میں ہونے والے احوال کے متعلق خبر دے، اسرار کے جاننے اور علم غیب کا مطالعہ کرنے کا دعوی کرے۔

کہانت اور عرافہ میں فرق

کاہن اور عراف ایک ہی چیز کے دو نام ہیں یا دونوں میں باہم کوئی فرق بھی ہے؟ بعض اہل علم کے نزدیک تو دونوں میں کوئی خاطر خواہ فرق نہیں ہے، تاہم بہت سے اہل لغت اور محدثین نے دونوں میں فرق بھی کیا ہے، وہ فرق کیا ہے؟ تو:

الف: بعض کے نزدیک کاہن وہ ہوتا ہے جو مستقبل کے حالات جاننے کا دعوی کرتا ہے اور عراف وہ ہے جو چوری اور گمشدہ چیزوں اور ان جیسی باتوں کے جاننے کا مدعی ہو۔ چنانچہ "کلیات" میں ہے:

"الكاهن: هُوَ من يخبر بالأحوال الْمَاضِيَةِ والعراف: من يخبر بالأحوال الْمُسْتَقْبلَة"[2]

ترجمہ: "کاہن وہ ہے جو ماضی کے احوال کا خبر دے، اور عراف وہ کہ جو مستقبل کے احوال کا خبر دے"۔

ب: کاہن وہ ہوتا ہے جو جنات کی مدد سے مستقبل کے حالات پہچاننے اور سربستہ رازوں کے جاننے کا دعویٰ رکھتا ہو اور عراف وہ ہوتا ہے جو اپنی فراست اور کسی خاص

---

[1] التعریفات، ص183.

[2] الکلیات، ص773.

تدبیر سے ان جیسی باتوں کے جاننے کا دعویٰ کرتا ہو۔ بہر حال اس بات پر تمام محدثین کا اتفاق ہے کہ کہانت کی مذمت میں جو روایات وارد ہوئی ہیں، وہ ان دونوں کو شامل ہیں۔ علامہ ابو موسیٰ مدینی فرماتے ہیں:

"والحديث الذي فيه: "مَن أَتى كاهِنًا" قد يَشْتَمِلُ على إتْيان هؤلاء كلّهم-"[1]

ترجمہ: "جس حدیث میں یہ ہے کہ "جو کاہن کے پاس آئے" یہ ان سب کے پاس آنے کو شامل ہے"۔

علامہ طاہر پٹنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وح: من أتى "كاهنًا"، يشمل الكاهن والعراف والمنجم.. وإتيانهم حرام بإجماع المسلمين."[2]

ترجمہ: "جو کاہن کے پاس آئے۔۔" یہ حدیث کاہن عراف اور نجومی سب کو شامل ہے۔ ان سب کے پاس جانا باجماع مسلمین حرام ہے"۔

کہانت کی ممانعت کی اصل واساس

درج بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ کہانت و عرافت کی مذمت و ممانعت کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ اس میں غیب دانی کا دعویٰ کیا جاتا ہے، چنانچہ ان میں سے کوئی ماضی کے پوشیدہ راز اور خفیہ واقعات جاننے کا مدعی ہوتا تھا تو کوئی مستقبل کے احوال وواقعات پہچاننے کا دعویدار۔ کوئی کسی جن کی وساطت سے اس کمال کو حاصل

---

[1] المجموع المغيث في غريبي القرآن والحديث، ج3ص 95.

[2] مجمع بحار الأنوار، ج4ص450.

کرنے کا تاثر دلاتا تھا تو کوئی اپنی ذاتی لیاقت و ذکاوت اور فہم و فراست سے یا مخصوص نوعیت کے حساب و کتاب کے بل بوتے اس کی بنیاد رکھتا تھا۔ غرض اصل مذمت کا نکتہ یہی غیب دانی کا دعویٰ کرنا اور اس کا تاثر دینا ہے گو جزوی حد تک ہو۔

کہانت کی چند رائج صورتیں

ماضی کی طرح اب بھی بہت سے ایسے معاملات رائج ہیں جو کہانت کے تحت داخل ہیں، گویا کہانت کی یہ بیماری ختم نہیں ہوئی بلکہ مختلف صورتوں میں اب بھی موجود ہے[1]، ان میں سے چند صورتیں یہ ہیں:

الف: ناخن یا شیشہ کے ذریعے چور یا گمشدہ چیزوں کو معلوم کرنا۔ بہت سے علاقوں میں اس کا رواج ہے، یہ عرافت کی شکل ہے چنانچہ عراف بھی اس طرح مختلف تدابیر سے ان باتوں کو معلوم کرنے کا دعویٰ کرتے تھے۔

ب: ہتھیلی کے لکیر دیکھ کر مستقبل کے احوال کا پتہ دینا۔ بہت سے شہروں اور دیہات میں یہ ایک کاروبار کا شکل اختیار کر چکا ہے بلکہ بعض ممالک میں اس کو مستقل فن کی حیثیت دی جانے لگی ہے۔ اس میں ہوتا یوں ہے کہ کسی کی ہتھیلی دیکھ

---

[1] یاد رہے کہ کہانت، عرافت اور ان جیسے امور کا استعمال کوئی تاریخی افسانہ نہیں ہے جو زمانے کے بدلنے سے ختم ہو گیا، بلکہ ترقی یافتہ کہلانے والی اس دنیا میں بھی انسانوں کا ایک جہاں ہے جو ان جیسی چیزوں کی طرف جاتے ہیں اور اپنی متنوع مشکلات حل کرنے میں اس کی طرف رجوع کرتے ہیں، چنانچہ ماضی کے ایک رپورٹ کے مطابق فرانس میں عرافہ اور کہانت کے ماہرین کی تعداد تقریباً اتنی ہی ہے جتنے وہاں نفسیاتی امراض کے ڈاکٹروں کی تعداد ہے، دونوں کی تعداد ۴۳۰۰۰ تیرتالیس ہزار ہے اور ان کی طرف ایک کروڑ لوگ اپنے مسائل میں رجوع کرتے ہیں۔ ایک اور رپوٹ کے مطابق وہاں سحر اور شعبدہ بازی سے وابستہ افراد کی تعداد پچاس ہزار ہے۔ اور یہ سب ان جادوگروں یا کہانت پیشہ افراد کی تعداد ہے جو باقاعدہ حکومتی ریکارڈ میں رجسٹرڈ ہے، جو افراد اس حیثیت کے ساتھ رجسٹرڈ نہیں ہے، ان کی تعداد اس کے علاوہ ہے۔

کر اس کے مستقبل کی پیش گوئی دی جاتی ہے کہ مالدا ہو گا یا غریب ؟خو شحال ہو گا یا بد حال ؟ وغیرہ۔ یہ کہانت و عرافت کی مذموم شکل ہے۔

ج: ستاروں سے مستقبل کا حال دریافت کرنا۔اس کام نے "علم نجوم" کے نام سے مستقل فن کی حیثیت اختیار کی ہے،آئے دن اخبارات وغیرہ میں اس کا چرچا ہوتا ہے، خصوصاً نئے سال کی آمد پر اس سے بڑا کام لیا جاتا ہے اور رواں سال میں پیش آنے والے تمام اہم واقعات کو جنتری کی شکل میں لکھا جاتا ہے۔ محدثین نے صراحت فرمائی ہے کہ "منجم" بھی کاہن کے ذیل میں داخل اور اسی کی طرح مذموم و مجرم ہے۔

د: کسی مقدمہ میں فریقین کے نام یا ان کے عمر کے تناسب سے حساب وکتاب کر کے غالب و مغلوب معلوم کرنا اور اس کی پیش گوئی کرنا کہ اس مقدمہ میں فلاں غالب اور فلاں مغلوب ہو گا۔(امداد الفتاوی، ۵ ص ۳۸۱)۔

جنات کے سہارے علاج و آپریشن کرنا

مسئلہ: بہت سے علاقوں میں یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ کسی خاص مرد یا عورت کے پاس جنات ہیں اور وہ اس کے ذریعے مختلف قسم کی بیماریوں کا علاج کرتے ہیں۔ یہ علاج عجیب وغریب طریقے سے ہوتا ہے،عام طور پر علاج و معالجے کا جو طریقہ رائج ہے،اس سے یکسر مختلف ہوتا ہے چنانچہ یہاں عام ترتیب کے مطابق دوائی و گولیوں کی ضرورت پڑتی ہے نہ ہی جسم میں چیر پھاڑ کی نوبت آتی ہے بلکہ کہنے والوں کے کہنے کے مطابق یوں ہی جن یا پری مریض کے بدن کو باہر یا اندر

گھس کر بیماری کی جڑ ختم کر دیتے ہیں جس سے بسا اوقات مریض شفایاب بھی ہو جاتا ہے۔

اس طرح واقعۃً علاج/آپریشن ہوتا بھی ہے یا نہیں؟ اگر ہوتا ہے تو کیا عام علاج کی طرح مفید و مؤثر بھی ہوتا ہے یا نہیں؟ یہاں ان باتوں سے بحث نہیں کی جارہی بلکہ محض شرعی نقطہ نظر سے اس کا جائزہ لیا جاتا ہے کہ آیا اس طریقہ کار کے مطابق علاج و آپریشن کرنا کرانا جائز ہے یا نہیں؟

اور اس میں اہل علم کی دو رائے ہیں:

۱: بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ یہ جائز نہیں ہے اور اس کی وجہ وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ کہانت عرافت ہی کی ایک شکل ہے جس میں جنات کے سہارے مختلف طریقوں سے پہلے مرض کی تشخیص کی جاتی ہے اور پھر انہی کے ذریعے علاج و درستگی کا تاثر دلایا جاتا ہے۔

۲: بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ ایسا کرنا نہ کہانت یا عرافت میں داخل ہے اور نہ ہی فی نفسہ ناممکن ہے بلکہ ممکن ہے، اس میں شرعی یا عقلی لحاظ سے کوئی استبعاد نہیں ہے۔ بظاہر یہی موقف درست اور راجح معلوم ہوتا ہے، چنانچہ اگر کوئی طبیب مریض کی حالت دیکھ کر، اس کے حالات سن جان کر یا اس کے ہاتھ پر نبض رکھ کر اس کی بیماری معلوم کر سکتا ہے اور پھر مختلف طریقوں سے اس کا علاج بھی کر سکتا ہے تو جنات اگر ایسا کریں تو اس سے کیا مانع ہو سکتا ہے! تاہم چونکہ یہاں جنات سے کام لیا جارہا ہے اور انہی کے سہارے کام کرنے کا دعویٰ کیا جاتا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ دعویٰ واقع کے مطابق بھی ہو اور جنات سے کام لینے کا یہ طریقہ

کار جائز بھی ہو جس کی تفصیل "جنات سے کام لینا" عنوان کے تحت ذکر کی جاچکی ہے۔

"فتاویٰ محمودیہ" کے ایک فتویٰ سے اس موقف کی پوری پوری تائید ہو جاتی ہے، وہ فتویٰ درج ذیل ہے:

"سوال ۱۱۴۵۶: ہمارے علاقہ میں ایک نوجوان جو اخلاقی اعتبار سے بہت نیک ہے، زندگی میں سادگی ہے، بر سر روزگار ہے، اس کے متعلق یہ بات مشہور ہے کہ اس پر کسی بزرگ (ولی) کا سایہ ہے، بزرگ اس پر حاضر ہوتے ہیں۔ اور مختلف امراض، آسیبی اثر آپسی تنازعہ سے متعلق تفصیل سے بتاتے ہیں اور علاج بھی کرتے ہیں۔ سینکڑوں لوگ شفایاب ہوئے، لوگ اپنے طور پر عطیہ دیتے ہیں، ان کی کوئی مانگ نہیں، علاج میں شرکیہ فعل نہیں۔ علاج تعویذ، گنڈا و پانی پر دم کر کے کرتے ہیں۔

اسی طرح ایک ضعیف سال خاتون پر پریوں کا سایہ ہے، پریاں اس پر حاضر ہوتی ہیں اور نہایت فصیح اردو، مراٹھی میں گفتگو کرتی ہیں، جب کہ ضعیفہ اردو، مراٹھی بالکل نہیں جانتی، عمل میں شرکیہ فعل نہیں ہے، علاج کسی چیز پر دم کر کے اور گنڈا دھاگا دے کر کرتی ہے۔

۱......مندرجہ بالا واقعہ سے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟

۲......اس طریقہ علاج سے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟

۳......اس علاج پر یقین رکھنے اور جائز جاننے والے پر شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامدا ومصليا

۱،۲،۳.... جنّات اور پریوں کا انسان مرد و عورت پر آنا اور اس قسم کی باتیں بتانا ممکن ہے، اردو، مراٹھی یا کسی اور زبان میں گفتگو کرنا بھی ممکن ہے، علاج کے لئے کسی

دوا کا بتلانا اور اس سے شفاء کا حاصل ہونا بھی ممکن ہے، حدیث وقرآن کی دعائیں پڑھ کر دم کرکے اور تعویذ گنڈا دے کر استعمال کرانے سے جنّات کا دفع ہو جانا بھی ممکن ہے اور مریض کا شفاء پا جانا بھی ممکن ہے، لیکن ایسی حالت کی بتائی ہوئی بات کو حجت شرعیہ قرار دینا درست نہیں۔ مثلاً: اگر وہ بتائے کہ فلاں شخص نے چوری کی ہے تو اس کے بتانے سے اس شخص کو چور قرار دینا درست نہیں، جب کہ معالجہ صحیح طریقہ پر ہو، اس میں کوئی شرکیہ عمل یا کوئی غلط چیز نہ ہو جائز ہے اور اس کی وجہ سے کچھ ہدیہ دیا جائے اس کا لینا بھی درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ [1]"

علم رمل: تعارف ومقصود

مستقبل کے حالات وخدشات جاننے اور آئندہ کی خوشی وغمی معلوم کرنے کا ایک رائج طریقہ "رمل" بھی ہے جو علم رمل کے نام سے مشہور ہوا ہے، اس کی فنی لحاظ سے تعریف یہ ہے:

"هو علم يعرف به: الاستدلال على أحوال المسألة حين السؤال، بأشكال الرمل."[2]

"کشاف" میں اس کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ یہ وہ علم ہے جس میں سولہ مخصوص اشکال سے اس حیثیت کے ساتھ بحث کی جاتی ہے کہ ان کے ذریعے سے دنیا کے نامعلوم احوال معلوم ہو جائیں۔ اس علم کا موضوع یہی مخصوص سولہ اشکال

---

1 فتاوی محمودیہ ج ۲۴ ص ۴۳۲

2 كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون: ج 1 ص 912.

ہیں اور غرض و مقصود یہ ہے کہ کائنات کے حوال معلوم کئے جائیں۔[1] مشہور یہ ہے کہ اصلا یہ علم حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضرت دانیال علیہ الصلاۃ والسلام کو سکھایا تھا۔

علم رمل سے استفادہ کرنے کا شرعی حکم

رمل سے کام لینا شرعا جائز نہیں ہے، حضرات فقہائے کرام نے اس کو ممنوع و مذموم علوم کے ضمن میں شمار فرمایا ہے، ایک حدیث شریف میں ہے کہ حضرت معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ الصلاۃ والسلام سے مختلف باتیں پوچھی اور آپ ﷺ نے اس باتوں کے متعلق ان کی رہنمائی فرمائی۔ انہی میں سے ایک سوال یہ بھی تھا کہ ہمارے ہاں بعض لوگ کچھ خط لکھ کھینچتے ہیں اور اس سے مستقبل کی کچھ باتیں معلوم کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"كان نبي من الأنبياء يخط، فمن وافق خطه فذاك"[2]

ترجمہ: "انبیاء میں سے ایک نبی خط کھینچتے تھے پس جس کا خط ان کے خط کے موافق ہوا ،وہ صحیح ہے"۔

تقریبا تمام محدثین نے اس روایت سے یہ سمجھا ہے کہ اس روایت سے اس کام کی ممانعت مقصود ہے کیونکہ ایسی شرط کے ساتھ مشروط اجازت دی جا رہی ہے جس کا ہونا متیقن نہیں ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

[1] کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم، مادۃ "رمل"، ج1 ص874.

[2] صحیح مسلم باب تحریم الکلام فی الصلاۃ ونسخ ماکان من اباحتہ، ج1 ص381 رقم الحدیث 33 - (537)۔

"اختلف العلماء في معناه فالصحيح أن معناه من وافق خطه فهو مباح له ولكن لا طريق لنا إلى العلم اليقيني بالموافقة فلا يباح والمقصود أنه حرام لأنه لا يباح إلا بيقين الموافقة وليس لنا يقين بها وإنما قال النبي صلى الله عليه وسلم فيمن وافق خطه فذاك ولم يقل هو حرام بغير تعليق على الموافقة لئلا يتوهم متوهم أن هذا النهي يدخل فيه ذاك النبي الذي كان يخط فحافظ النبي صلى الله عليه وسلم على حرمة ذاك النبي مع بيان الحكم في حقنا فالمعنى أن ذلك النبي لا منع في حقه وكذا لو علمتم موافقته ولكن لا علم لكم بها... فحصل من مجموع كلام العلماء فيه الاتفاق على النهي عنه الآن-"[1]

ترجمہ:"اس حدیث کے بارے میں اہلِ علم کا اختلاف ہے: صحیح معنٰی یہ ہے کہ جس کا خط موافق ہوا، تو وہ اس کے لئے حلال ہے لیکن موافقت کے یقینی علم ہمارے پاس کوئی راستہ نہیں، پس مباح نہ رہا، حدیث کا مقصد یہ ہی کہ یہ عمل ناجائز ہے، اس لئے کہ مباح تب ہے جب موافقت کا یقین ہو اور ہمیں موافقت کا یقین نہیں ہے، جبکہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: جس کا خط اس نبی کے خط کا موافق تو وہ صحیح ہے، یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ وہ بغیر موافقت کے شرط کے حرام ہے، تاکہ کو واہم یہ وہم نہ کرے کہ اس نہی میں وہ پیغمبر بھی داخل ہے جو خط کھینچتے تھے اور آپ ﷺ نے ان پیغمبرؑ کی حرمت کی حفاظت فرمائی ہو اور ہمارے لئے بھی حکم بیان فرمایا ہو، مطلب یہ کہ ان پیغمبرؑ کے حق میں کوئی ممانعت نہیں تھی، اسی اگر تمہیں ان کی موافقت کا علم ہوتا (تو تمہارے حق

---

[1] شرح النووي علی مسلم، ج5ص23.

میں بھی ممانعت نہ ہوتی) لیکن ان کی موافقت کا علم نہیں۔۔۔پس اب علماء کے مجموعی کلام سے اس سے ممانعت پر اتفاق حاصل ہوا"۔

"بذل المجهود" میں ہے:

"(قال: كان نبيٌّ من الأنبياء يخطُّ، فمن وافق خطه) خطه بالنصب (فذاك) مصيب، لكن لا يدري الموافقة فلا يباح، أو فلا يعرف المصيب، فلا ينبغي الاشتغال بمثله، والحاصل أنه منع عن ذلك."[1]

ترجمہ: "انبیاء میں سے ایک نبی لکھیر کھینچتے تھے پس جس کا خط اس کے موافق ہو جائے وہ درست ہے، لیکن چونکہ موافق ہونا معلوم نہیں ہو سکتا، اس لئے مباح نہیں۔ یا جو درست خط والا ہے وہ معلوم نہیں، اس لئے اس قسم کی چیزوں میں پڑنا ٹھیک نہیں، خلاصہ یہ کہ یہ عمل منع ہے"۔

ارواح اور ان کی حاضری سے متعلق چند مسائل

"عملیات" کے شعبہ سے وابستہ ایک عمل "مردہ لوگوں کے روحوں کو حاضر کرنا" بھی بتلایا جاتا ہے، اس لئے اس مناسبت سے دو تین ضروری باتیں درج کی جاتی ہیں۔

مسئلہ: روح کو موت نہیں آتی بلکہ صرف اتنا ہو جاتا ہے کہ اپنے عنصری جسم سے نکل کر اپنے مقررہ مستقر کی طرف چلی جاتی ہے اور وہاں سے اپنے اصل بدن کے ساتھ ایک خاص نوعیت کا ربط و تعلق برقرار رہتا ہے جس کی وجہ سے جسم کو

---

[1] بذل المجهود في حل سنن أبي داود، ج 11 ص 640.

کوئی راحت یا تکلیف پہنچے تو اس کو احساس ہوتا ہے۔اس ربط و تعلق کی پوری کیفیت ہمیں معلوم نہیں ہے اور نہ اس کی پوری حقیقت جاننے کے ہم مکلف ہیں۔

مرنے کے بعد روح کہاں ہوتی ہے؟

مسئلہ: مرنے کے ساتھ روح جب اس عنصری بدن سے نکل جاتی ہے تو آگے اس کا مستقر کیا ہے؟ اور کہاں یہ قیامت تک رہے گی؟ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں بہت اختلاف ہے، علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الروح" میں اس کے متعلق تقریباً اٹھارہ اقوال نقل فرمائے ہیں، ان اقوال کے قائلین، ان کے دلائل اور پھر ان دلائل کا محاکمہ بھی کیا ہے اور خود آخر میں یہ موقف اپنایا ہے کہ ارواح کی مختلف اقسام و درجات ہیں، سب کی ایک حالت ہے اور نہ سب کا مستقر و مرکز ایک ہے، بعض مبارک روحیں ملاء اعلی میں ہوتی ہیں، بعض آسمان میں حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ، بعض جنت میں اور بعض دیگر مقامات میں۔[1]

مسئلہ: بہت سے "عامل" یا عامل نما افراد دعوی کرتے ہیں بلکہ عملی طور پر دکھاتے ہیں کہ مردہ لوگوں میں سے جس کی روح سے ملنا مقصود ہو یا کسی مریض کے علاج و معالجہ کے سلسلہ میں اس سے مدد لینے کی ضرورت ہو تو ایک خاص عمل کے ذریعے متعلقہ شخص کے روح کو بلا لیتے ہیں اور ان سے گفتگو بھی کرتے ہیں اور کچھ سوال استفسار کرنا ہو تو وہ بھی کر لیتے ہیں۔اس میں درج ذیل خرابیاں ہیں:

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: کتاب الروح،المسئلة الخامسة عشرة: مستقرّ الأرواح،ص٢٤٤تا٢٩٧.

الف: اول تو ارواح کو حاضر کرنے کا یہ جو دعوی کیا جاتا ہے، اس کے صداقت کی کوئی قابل اعتماد دلیل نہیں ہے اور جو کچھ نشانات و علامات وہ بتاتے ہیں، وہ کچھ زیادہ ٹھوس نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر ماہر اور محققین کے نزدیک یہ عمل دھوکہ دہی اور فریب پر مبنی ہوتا ہے، اس میں یا تو قوت خیالیہ سے کام لیا جاتا ہے اور یا شیطانی ارواح سے مرضی کے نتائج حاصل کئے جاتے ہیں۔

ب: بعض اوقات اس کے ساتھ متعلقہ ارواح کے متعلق علم غیب اور قدرت تصرف کا تصور بھی کارفرما ہوتا ہے جس کی گمراہی محتاج بیان نہیں ہے۔

نظر بد سے متعلق مسائل

مسئلہ: نظر لگ جانا بالکل برحق ہے اور اس کی وجہ سے بیماری یا نقصان بھی پیدا ہو سکتا ہے، متعدد صحیح احادیث مبارکہ میں اس کا اثبات کیا گیا ہے اور عقلی لحاظ سے بھی یہ بات ناممکن نہیں ہے، اور جب کسی ممکن کے متعلق نص آجائے، تو اس کا اعتقاد رکھنا ضروری ہے، لہٰذا اس کو ماننا ضروری ہے۔

"الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ" میں ہے:

"ذهب جمهور العلماء إلى أن الإصابة بالعين ثابتة موجودة، ولها تأثير في النفوس، وتصيب المال، والآدمي، والحيوان .والأصل في ذلك ما رواه مسلم من حديث ابن عباس رضي الله عنه رفعه العين حق، ولو كان شيء سابق القدر سبقته العين، وإذا استغسلتم فاغسلوا.وما روى أبو هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: العين حق. ونهى عن الوشم.وأنكر طائفة من

الطبائعيين وطوائف من المبتدعة العين لغير معنى، وأنه لا شيء إلا ما تدركه الحواس الخمس وما عداها فلا حقيقة له. والدليل على فساد قولهم: أنه أمر ممكن، والشرع أخبر بوقوعه فلا يجوز رده."[١]

ترجمہ: "جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ نظر لگنا ثابت وموجود ہے، نفوس میں اس کا اثر ہوتا ہے، مال، جان اور حیوانات کو نظر بد لگتی ہے۔اس کی دلیل مسلم کی روایت ہے جو حضرت ابن عباسؓ نے مرفوعا روایت ہے کہ "نظر لگنا حق ہے اور اگر تقدیر سے بڑھنے والی کوئی چیز ہوتی، تو نظر اس سے آگے بڑھ جاتی اور جب تم سے غسل کرنا طلب کیا جائے تو غسل کر دیا کرو"۔اور حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا" نظر حق ہے "اور جسم گودھنے سے منع فرمایا۔سائنس دانوں کی ایک جماعت بدعتیوں کی ایک جماعت نے اس کا انکار کیا اور اس کا معنی دوسرا لیا(اور کہا کہ) کہ حقائق وہ ہیں جن کا حواسِ خمسہ ادراک کرے اور اس کے سوا جو کچھ اس کی کوئی حقیقت نہیں۔اس بات کے فاسد ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یہ ایک ممکن چیز ہے اور شریعت نے اس کے وقوع کی خبر دی ہے، لہٰذا اس کو رد کرنا جائز نہیں ہے"۔

علامہ علاء الدین طرابلسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وكما أن الله – سبحانه – يصرف الأفعال الغريبة داخل البدن بالأدوية، كذلك يصرفها خارج البدن بالرقى والتعويذ. وقد شاهدنا ذلك، والمشاهدة أقوى من الدليل النظري."[٢]

---

1 الموسوعة الفقهية الكويتية: ج13ص30.

2 معين الحكام فيما يتردد بين الخصمين من الأحكام، ص194.

ترجمہ: "جس طرح اللہ تعالیٰ دواؤں کے ذریعے بدن کے اندر عجیب وغریب تصرفات فرماتے ہے اسی طرح دم تعویذ کے ذریعے بدن سے باہر بھی تصرفات ظاہر فرماتے ہے چنانچہ ہم اس کا ہم نے مشاہدہ کرتے ہیں اور مشاہدہ دلیلِ نظری سے زیادہ قوی ہوتا ہے"۔

مسئلہ: اگر تجربہ سے ثابت ہو جائے کہ کسی کے نظر میں اس طرح اثر ہے تو اس کو چاہئے کہ جب کسی چیز کو پسندیدگی یا تعجب کی نگاہ سے دیکھے تو اس کے لئے برکت کی دعاء دیدے، مثال کے طور پر یہ کہے کہ " تبارك الله أحسن الخالقين اللهم بارك فيه "

مسئلہ: اگر اس طرح لوگ اس کی نظر سے محفوظ رہ سکیں تو بہت اچھا، ورنہ ایسے شخص کو چاہئے کہ حتی الامکان لوگوں کے مجمع سے اور ہر اس جگہ سے کنارہ کش رہے جہاں اس کی نظر سے لوگوں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ اگر اس کے باوجود اصرار کرے اور ایسے مجامع میں شریک ہونے سے احتراز کرے تو حاکم اس کو ایک حد تک مجبور بھی کر سکتا ہے۔ "فتاوی شامی" میں ہے:

"في شرح البخاري للإمام العيني من باب: العين حق. روى أبو داود من حديث عائشة أنها قالت: «كان يؤمر العائن فيتوضأ ثم يغتسل منه المعين» قال عياض: قال بعض العلماء: ينبغي إذا عرف واحد بالإصابة بالعين أن يجتنب ويحترز منه، وينبغي للإمام منعه من مداخلة الناس، ويلزمه بيته وإن كان فقيرا رزقه ما يكفيه فضرره أكثر من ضرر آكل الثوم والبصل، ومن ضرر المجذوم الذي منعه عمر – رضي الله عنه – وفي النسائي أن النبي – صلى الله

عليه وسلم - قال «إذا رأى أحدكم من نفسه أو ماله أو أخيه شيئا يعجبه فليدع بالبركة فإن العين حق» " والدعاء بالبركة أن يقول: تبارك الله أحسن الخالقين اللهم بارك فيه ويؤمر العائن بالاغتسال ويجبر إن أبى اه. ملخصا وتمامه فيه والله سبحانه وتعالى أعلم."[1]

ترجمہ: "علامہ عینیؒ کی شرح بخاری میں ہے کہ اماں عائشہؓ نے فرمایا: "پہلے زمانے میں نظر لگانے والے سے وضوء طلب کیا جاتا تھا، پھر اس کے وضوء کے پانی سے نظر زدہ شخص غسل کرتا" قاضی عیاضؒ بعض علماء سے نقل کرتے ہیں: کہ جب کوئی شخص کے بارے میں معلوم ہو جائے کہ اس کی نظر لگتی ہے تو بہتر یہ ہے کہ اس سے دور رہا جائے اور حاکم کو چاہیئے کہ اس کو لوگوں کے پاس جانے سے روکے اور اس کو پابند کرے اور اگر وہ فقیر ہ ہو، تو بقدرِ کفایت وظیفہ بھی مقرر کرے کیونکہ اس کا ضرر لہسن اور پیاز کھانے والے سے کہی زیادہ ہے اور کوڑ کے مریض کی ضرر سے بھی (زیادہ ہے)، جس کو حضرت عمرؓ نے منع فرمایا تھا۔ اور "سنن نسائی" میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "تم مین سے جب کوئی اپنی یا اپنے مسلمان بھائی کی جان یا مال میں سے کوئی ایسی چیز دیکھے جو اسے اچھی لگے تو برکت کی دعا دیا کرے، کہ نظر کا لگنا حق ہے" اور برکت کی دعا یہ ہے کہ تبارک اللہ أحسن الخالقین اللھم بارک فیہ (بابرکت ہے اللہ تعالیٰ کی ذات سب سے بہتر پیدا کرنے والا ہے، یا اللہ تو اس میں برکت عطا فرما) اور نظر لگانے والے کو غسل کرنے کا حکم کیا جائے گا اگر انکار کرے تو مجبور کیا جائے گا واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

---

[1] الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین، کتاب الحظر والإباحۃ، فصل في اللبس، ج6 ص364.

مسئلہ: [بلا وجہ] نقصان پہنچانے کی نیت سے کسی کی طرف دیکھنا گناہ وممنوع ہے، ایک تو یہ اندرونی حسد وکینہ کی دلیل ہے اور ساتھ مسلمان بھائی کو اذیت پہنچانا ہے اور یہ دونوں چیزیں شرعا حرام ومذموم ہیں۔

نظر بد اتارنے کا مسنون طریقہ

مسئلہ: نظر بد اتارنے اور اس کے اثر کو ختم کرنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ جس کی نظر سے نقصان پہنچنے کا گمان ہو، وہ وضوء یا غسل کرے اور وہ استعمال شدہ پانی سے مریض کے اوپر چھڑک دیا جائے، چنانچہ "سنن نسائی" میں ہے:

"عن أبي أمامة، قال: رأى عامر بن ربيعة سهل بن حنيف، يغتسل فقال: والله ما رأيت كاليوم ولا جلد مخبأة فلبط سهل مكانه، فأتى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقيل له: هل لك في سهل بن حنيف؟ والله ما يرفع رأسه فقال: «هل تتهمون له أحدا؟» قالوا: نتهم عامر بن ربيعة، فدعا رسول الله صلى الله عليه وسلم عامرا فتغيظ عليه قال: «علام يقتل أحدكم أخاه؟ ألا بركت فاغتسل له» فغسل له عامر وجهه ويديه ومرفقيه وركبتيه وأطراف رجليه وداخلة إزاره في قدح، ثم صب عليه فراح سهل مع الناس ليس به بأس "[1]

ترجمہ: "حضرت ابوامامہؓ سے مروی ہے کہ عامر بن ربیعہؓ نے سہل بن حنیفؓ کو غسل کرتے ہوئے دیکھ کر کہا: واللہ میں نے آج (سہل کے خوبصورت جلد) کی طرح کسی

---

[1] السنن الکبری للنسائی، وضوء العائن، ج7ص102رقم الحدیث 7572.

لڑکی کا جلد بھی نہیں دیکھا، تو سہل اسی جگہ بیمار پڑھ گئے، آپ ﷺ کی خدمت میں لائے گئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ! آپ کو سہل بن حنیف کی صحت میں رغبت ہے؟ بخدا وہ تو سر نہیں اٹھا سکتے، آپ نے فرمایا: کیا تمہیں کسی پر کچھ گمان ہے؟ عرض کرنے لگے: جی عامر بن ربیعہ پر، آپ ﷺ نے عامر کو بلایا اور اس پر غصہ ہوئے اور فرمایا: "کس بات پر اپنے بھائی کو قتل کرتے ہو؟ برکت کی دعا کرنا چاہئے تھا اب اس کے لئے غسل کرو" پس عامر نے منہ، ہاتھ، بازو، پنڈلیاں، پاؤں اور ازار کے اندر کو بھی ایک برتن میں دھو لیا، پھر وہ پانی سہل پر انڈیل دیا گیا، اس کے بعد سہل لوگوں کے ساتھ روانہ ہوئے اور ان کو کوئی تکلیف نہیں تھی"۔

مسئلہ: جس کی نظر سے نقصان پہنچا ہے، اگر اس سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ نہائے تاکہ اس پانی سے مریض پر ڈال کر اس کی تکلیف کو دور کیا جا سکے تو ایسے حالت میں عائن [نظر لگانے والے] کو یہی چاہئے کہ نہائے اور مسلمان بھائی کو خیر و نفع پہنچانے میں بلا وجہ ٹال مٹول یا انکار سے کام نہ لے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر یہی تاکید فرمائی ہے کہ اگر تم سے نہانے کا مطالبہ کیا جائے تو نہاؤ۔ چنانچہ مسلم شریف میں ہے:

"عن ابن عباس، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: «العين حق، ولو كان شيء سابق القدر سبقته العين، وإذا استغسلتم فاغسلوا"[1]

"حضرت ابن عباس ؓ آپ ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: نظر لگنا حق ہے اور اگر تقدیر سے بڑھنے والی کوئی چیز ہوتی، تو نظر اس سے آگے بڑھ جاتی اور جب تم سے غسل کرنا طلب کیا جائے تو غسل کر دیا کرو"۔

---

[1] صحیح مسلم، باب الطب والمرض والرقی، ج4 ص1719 رقم الحدیث 2188 .

نظر بد سے بچنے کے لیے کچھ لٹکانا

مسئلہ: نظر بد اتارنے کے لئے دم، تعویذ، دعاء وغیرہ کوئی بھی جائز تدبیر اختیار کی جاسکتی ہے جب تک کہ اس میں کوئی شرعی منکر داخل نہ ہو۔ اسی میں یہ بھی داخل ہے کہ گھر یا کھیت وغیرہ میں کوئی چیز لٹکائی جائے، ایسا کرنے میں شرعا مضائقہ نہیں ہے جب تک کہ خود اس چیز کو موثر نہ سمجھا جائے۔

"فتاویٰ قاضی خان" میں ہے:

"ولا بأس بوضع الجماجم في الزرع والمبطخة لدفع ضرر العين لأن العين حق تصيب المال والآدمي والحيوان ويظهر أثره في ذلك عرف ذلك بالآثار. وإذا خاف العين كان له أن يضع فيه الجماجم حتى إذا نظر الناظر إلى الزرع يقع بصره أولا على الجماجم لارتفاعها فنظره بعد ذلك إلى الحرث لا يضر۔ لما روي أن امرأة جاءت إلى النبي صلى الله عليه و سلم و قالت نحن من أهل الحرث و إنا نخاف عليه العين فأمرها النبي صلى الله عليه و سلم أن تجعل فيه الجماجم."[1]

ترجمہ: "فصل اور باغ میں نظرِ بد کے نقصان سے بچنے کے لئے کھوپڑی سا بناء کر نصب کرنے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ نظر حق ہے اور مال، انسان اور حیوانات کو لگتی ہے اور ان میں اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے آثار سے یہ بات معلوم ہو چکی ہے۔ اور جب نظر

---

[1] فتاوی قاضیخان، کتاب الحظر والإباحة، فصل في التسبيح والتسليم والصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم والتعاويذ وما يرجع إلى الأمور الدينية، ج3ص261.

بد کا خوف ہو تو چاہئے کہ اس میں کھوپڑیاں نصب کرے کہ جن دیکھنے والا فصل کی طرف دیکھے گا تو پہلا نظر کھوپڑی پر اس کے اونچے ہونے کی وجہ سے پڑے گی، اس کے بعد کھیتی کی طرف دیکھنا نقصان دہ نہ ہوگا جیسا روایت میں ہے کہ ایک خاتون آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی: ہم کھیتی باڑی والے لوگ ہیں اور ہم فصل کو نظر لگنے سے ڈرتے ہیں، تو آپ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ اس میں کھوپڑیاں نصب کرے"۔

نظر بد کی وجہ سے دیت یا ضمان کا حکم

مسئلہ: نظر لگانے کے نتیجہ میں کسی کو کوئی جانی یا مالی نقصان پہنچایا گیا، تو دنیا میں اس پر ضمان یا دیت و کفارہ لازم نہیں ہے۔

"شامی" میں ہے:

"[تنبيه] أقر أنه أهلك فلانا بالدعاء أو بالسهام الباطنة أو بقراءة الأنفال لا يلزمه شيء؛ لأنه كذب محض؛ لأنه يؤدي إلى ادعاء علم الغيب المنفي بقوله تعالى: " لا يعلم الغيب إلا الله " ولم يوجد نص بإهلاكه بهذه الأشياء وبالإقرار كاذبا لا يلزمه شيء كما لو أقر ببنوة رجل هو أكبر من المقر سنا، ولو أقر أنه أهلك فلانا بقراءة أسماء الله تعالى القهرية اختلف المشايخ فيه لوقوعها والأصح أنه لا يلزمه شيء؛ لأن الشرع لم يجعله من آلة القتل وسببه اهـ بيري عن حاوي القنية".[1]

---

[1] الدر المختار وحاشية ابن عابدين، كتاب الجنايات، فصل فيما يوجب القود وما لا يوجبه، ج6 ص542.

ترجمہ:" اگر کوئی اقرار کرے کہ میں نے دعا، باطنی تیروں یا سورۃ انفال کے ذریعے کسی کو ہلاک کیا، تو اس پر کچھ لازم نہ ہوگا، اس لئے کہ یہ صریح جھوٹ ہے، کیونکہ یہ دراصل علم غیب کا دعوی ہے، جس کی نفی اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے ذریعے ہوئی کہ (غیب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا) اور ان چیزوں کے ذریعے اس کے ہلاک کرنے کا کوئی نص موجود نہیں ہے، اور جھوٹے اقرار سے کچھ لازم نہیں ہوتا۔ جیسا کہ کوئی کسی ایسے آدمی کے بیٹے ہونے کا دعوی کرے جو اس سے عمر میں بڑا ہوں۔ اسی طرح یہ دعوی کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے اسماء قہریہ کے ذریعے فلاں کو قتل کیا، تو اس کے بارے میں مشائخ کا اختلاف ہے، اصح یہ ہے کہ اس پر کچھ لازم نہ ہوگا، اس لئے کہ شرع نے اس کو قتل کا آلہ اور سبب نہیں بنایا ہے"۔

نیک فالی اور بد فالی: متعلقہ مسائل

مسئلہ: نیک فالی جائز بلکہ مسنون و مندوب ہے جبکہ بد فالی ممنوع و مذموم ہے۔ نیک فالی کی صورت یہ ہے کہ کسی سے کوئی اچھا معنیٰ خیز لفظ سنا تو اس کے مطابق فال لیا کہ درپیش معاملہ میں ان شاء اللہ انجام کار خیر و برکت نصیب ہوگی۔ اور بد فالی یہ ہے کہ کوئی چیز دیکھ سن کر اس سے بد شگون لیا جائے، مثال کے طور پر زید کوئی کام کرنے جا رہا ہے لیکن درمیان میں کسی ایسے چرند و پرند کو دیکھا جس کو عام طور پر مذموم و منحوس خیال کیا جاتا ہے، تو اس کام سے رک جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس کام میں خیر نہیں ہوگی۔

مسئلہ: احادیثِ مبارکہ میں بد فالی لینے سے منع کیا گیا ہے بلکہ اس کے مطابق اگر عمل درآمد بھی کیا جائے تو اس کو شرک تک قرار دیا گیا ہے جبکہ نیک فالی خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے لیکن اس سے مراد یہ ہے کہ اتفاق سے

کوئی بات دیکھی سنی تو اس سے نیک شگون لیا۔ یہ جو بعض جگہ رواج ہے کہ کسی غیر یقینی کیفیت کے ساتھ نیک فالی اور بد فالی کا تصور باندھا جاتا ہے کہ اگر ایسا ہو جائے تو کام میں خوشی نصیب ہوگی اور اگر دوسری کیفیت سامنے آئے تو بد حالی و پریشانی پیش آئے گی، یہ وہ جائز نیک فالی نہیں ہے بلکہ مشرکین مکہ کے اسی عمل کی طرح ہے جس کو قرآن کریم میں "استسقام بالازلام" سے تعبیر فرمایا گیا ہے، لہٰذا اس طرح اقدام سے احتراز کرنا لازم ہے۔

مسئلہ: طوطا، کسی کتاب، نام کے اعداد و شمار کا حساب کر کے اور ان جیسی دیگر صورتوں کے ساتھ جو نیک فالی اور بد فالی لینے کا رسم رواج ہے، یہ بالکل جائز نہیں ہے، ان سے بچنا لازم ہے۔

مسئلہ: بعض لوگ قرآن کریم سے بھی فال لینے کی جسارت کرتے ہیں، اس میں متعدد شرعی خامیاں شامل ہوتی ہیں، لہٰذا اس سے احتراز کرنا لازم ہے۔

مسئلہ: خواب کو بھی اس مقصد کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، چنانچہ کچھ پڑھ کر سویا جاتا ہے اور اس کے بعد نیند میں اگر کوئی اچھی صورت و شکل دیکھی یا کوئی اچھی بات سنی تو اس سے نیک شگون لیا جاتا ہے اور اس کے برعکس صورت حال کا سامنا کرنا پڑے تو بد شگونی لی جاتی ہے۔ یہ بھی شرعاً جائز نہیں ہے۔ یاد رہے کہ یہ وہ مسنون استخارہ ہے نہ ہی استخارہ سے شرعاً یہ مقصود ہوتا ہے۔

استخارہ کا مفہوم

استخارہ کا لغوی معنی تو خیر و بھلائی طلب کرنا ہے لیکن شریعت کی زبان میں اس سے مراد ایک خاص نماز و دعاء ہوتی ہے جس کی تبلیغ و تلقین حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمائی ہے، چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اس قدر اہتمام کے ساتھ استخارہ سکھلاتے جس طرح قرآن کریم کی کوئی سورت سکھاتے تھے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ زندگی میں جب کوئی اہم مسئلہ درپیش ہو اور اس میں استخارہ کی ضرورت محسوس ہو تو دو رکعت پڑھ کر ایک خاص دعاء پڑھے جس کو دعاء استخارہ کہا جاتا ہے اور جو استخارہ سے متعلق احادیث میں موجود ہے، اس کے بعد درپیش مسئلہ میں جس طرح دل کا رجحان ہو، اسی پر عمل کر لیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی ذات عالی سے امید ہے کہ انجام کار اسی میں خیر و برکت ہوگی۔ اس استخارہ کا حکم یہ ہے کہ یہ مسنون ہے اور زندگی کے معمولات میں اس کو شامل کر لینا چاہئے۔

استخارہ کے عمل میں پیوندکاری

لیکن ہمارے ہاں اس میں بہت کچھ پیوندکاریاں کی گئیں۔ استخارہ کے مقصود میں بھی تبدیلی کی گئی اور طریقہ کار و ترکیب میں بھی نت نئے اضافے ہوئے جس کے بعد اس کی شکل و ہیئت ہی تبدیل ہو گئی۔ مقصود میں تبدیلی اس طرح ہوئی کہ بہت سے لوگوں کا استخارہ کرنے سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ مستقبل کی کوئی بات معلوم ہو جائے یا ماضی کا کوئی سربستہ راز پوشیدہ بات اس کے ہاتھ آ جائے، مثال کے طور پر چوری ہوئی ہو تو اس کے مجرم کی شناخت ہو جائے یا کوئی چیز یا کوئی شخص گم ہوا ہے تو اس کا سراغ نکل آئے۔ اور عملی طریقہ کار میں تبدیلی کی مختلف صورتیں ہیں: چنانچہ بعض لوگ اسی مسنون عمل یعنی دو رکعت نفل اور مسنون دعاء استخارہ کے ساتھ ساتھ مزید شرائط بڑھانے لگے کہ اس کے بعد باوضوء اور قبلہ رخ سونا ہوگا اور

خواب میں کوئی بزرگ آکر بتائے گا کہ یہ کام کرو، اس میں آپ کا فائدہ ہے یا اس طرح منع کرے گا، اور بہت سے لوگوں نے اس کی بجائے اور بہت سے طریقے مقرر کئے ہیں جن کے مطابق وہ استخارہ کرتے کرواتے ہیں۔

مسئلہ: استخارہ کے لئے ایسی شکل اختیار کرنا، جس میں مطلوبہ نتیجے کو دو غیر یقینی باتوں کے ساتھ باندھا جائے کہ اگر ایسا ہو جائے تو درپیش کام کرنے کی طرف اشارہ ہوگا اور اس میں خیر و بھلائی ثابت ہوگی اور اگر دوسرا پہلو سامنے آئے تو نہ کرنے کی طرف اشارہ سمجھا جائے گا اور اس کام میں نقصان و خسارہ ہوگا۔ مسنون استخارہ کے تحت داخل نہیں ہے بلکہ بدفالی کے ضمن میں آتا ہے جو کہ شرعاً ممنوع و مذموم ہے۔

مسئلہ: بعض لوگ کسی مردے کا حال دریافت کرنے کے لئے، کہ وہ نعمت و خوشیوں میں ہے یا عذاب و مصیبت میں، بھی استخارہ اور مختلف قسم کے اعمال کرتے ہیں۔ یہ بھی مسنون استخارہ نہیں ہے بلکہ اس کے مقصود کے برخلاف ہے۔ مردے کا انجام کیا ہوا؟ اس کا یقینی اور حقیقی علم وحی ہی کے ذریعہ ممکن ہے جس کا دروازہ بند ہو چکا ہے، خواب و کشف وغیرہ ذرائع بالکل یقینی نہیں ہیں، اس لئے اس پر یقین کرنا کسی طرح درست نہیں ہے۔ نیز ان جیسے اعمال کو مسنون استخارہ کہنا نہایت مذموم ہے جس سے احتراز کرنا ضروری ہے۔

مسئلہ: استخارہ کے عمل کے ذریعے کوئی ناجائز کام جائز نہیں بن جاتا، اگرچہ خواب میں اس کی طرف ترغیب بھی ہو، کیونکہ خواب کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔ لہٰذا یہ جو بعض لوگوں میں رواج چل پڑا ہے کہ استخارہ کے نتیجے میں خواب وغیرہ میں جو بھی پہلو سامنے آئے، اس پر بہر حال عمل کرتے ہیں اور اس کے جائز

و ناجائز ہونے کی پروا نہیں کرتے بلکہ استخارہ کے عمل کی بنیاد پر کام کرتے ہیں۔ یہ قطعاناجائز ہے اور اس میں عام گناہ کی بنسبت مزید شناعت کی بات یہ ہے کہ اس غلط کام کو غلط سمجھا ہی نہیں جاتا بلکہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ چونکہ استخارہ کے نتیجے میں اس طرف رہنمائی ہوئی ہے اس لئے یہ کام بہر حال کرنے کا ہے، اسی طرح مزید قباحت کا ایک عنصر یہ بھی ہے کہ اس ناجائز اقدام کے لئے استخارہ کے مسنون عمل کو ڈھال کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

دوسرے سے استخارہ کروانا اور اس پر اجرت لینا

مسئلہ: استخارہ ایک مسنون عمل ہے جو خود کرنے کا کام ہے، احادیث مبارکہ میں اس کی تعلیم بھی اسی طریقے سے دی گئی ہے اور سلف صالحین کا طریقہ و تعامل بھی یہی رہا ہے کہ جب کوئی اہم مسئلہ در پیش ہو تو خود ہی استخارہ کیا۔ دوسرے سے استخارہ کرنے کی کوئی اصل نہیں ہے، لہٰذا دوسرے لوگوں کے ذریعے استخارہ کروانے کی بجائے خود ہی استخارہ کرنے کا اہتمام کر لینا چاہئے۔

مسئلہ: استخارہ کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ آدمی متقی و پرہیز گار ہو، بلکہ گناہ گار شخص کے لئے بھی یہ دروازہ کھلا ہے اگرچہ ایک مسلمان کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ گناہ کرنے پر جما رہے اور اس کے بعد توبہ کر کے اللہ تعالیٰ سے اپنا گناہ معاف نہ کروائے۔ لہٰذا یہ جو بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم تو گناہ گار لوگ ہیں ہم کیا استخارہ کریں؟ اور ہمارے استخارے کا کیا اعتبار؟ یہ غلط اور بے جا بات ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دور رکھنے کی ایک شیطانی یا نفسانی حربہ ہے۔

مسئلہ: استخارہ اگر مسنون طریقہ کے مطابق کیا جائے تو اس کا حاصل نماز و دعاء ہے جو عبادت ہے اور عبادات پر عوض لینا جائز نہیں ہے اور اگر کسی غیر شرعی طریقے سے استخارہ کروایا جائے تو وہ شرعا درست نہیں ہے اس لئے اس پر اجرت لینا بھی درست نہیں ہے۔

تبرک: مفہوم، حقیقت، شرعی حکم اور متعلقہ مسائل

تبرک جائز و ثابت ہے

مسئلہ: "برکت" لغت میں کسی چیز کی زیادتی، بڑھوتری اور خوش نصیبی کو کہا جاتا ہے [قاموس الوحید] چاہے وہ زیادتی مقدار کے لحاظ سے ہو یا مقصود و معیار کے اعتبار سے۔ تفسیر حقانی میں ہے: خیرِ کثیر اور موقع پر استعمال اور مثمر بنتائج ہونا اور دوام، یہ چار باتیں برکت کے معنیٰ میں ملحوظ ہیں۔"[1] تبرک کا لفظ اسی سے نکلا ہے جس کا معنیٰ ہے کسی چیز سے برکت حاصل کرنا، برکت حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔اس کی عام صورت یہ ہوتی ہے کہ جس چیز کو ذریعہ برکت خیال کیا جاتا ہے،اس کی تعظیم کی جاتی ہے،ادب واحترام، سنجیدگی اور سلیقہ مندی سے اس کے ساتھ پیش آیا جاتا ہے۔

جمہور اہل علم کا موقف

جمہور اہل علم کا موقف یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ، سلف صالحین اور دیگر نیک لوگوں کے اعمال و آثار اور ان کی طرف منسوب چیزوں سے تبرک حاصل کرنا

---

[1] تفسیر حقانی، تفسیر سورۃ ملک، ج5 ص ۴

جائز ہے، عملی طور پر اس سے برکت حاصل ہو گی یا نہیں؟ وہ تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے لیکن شرعی نقطہ نظر سے تبرک میں مضائقہ نہیں ہے جبکہ اس میں شرعی حدود کو پامال نہ کیا جائے، مثال کے طور پر خود اس قابل تبرک چیز یا جس کی طرف سے وہ منسوب ہو، اس سے متعلق غلو و مبالغہ پر مبنی کوئی اعتقاد رکھا جائے، یا حصول برکت کے لئے تعظیم و آداب کے بہانے ایسے اعمال بجالائے جائیں جن کی شرعا اجازت نہ ہو، مثلا بزرگوں کے مزارات سے برکت حاصل کرنے کے لئے ان کو چومنا، بوسہ دینا، سجدہ وغیرہ عبادات کی کیفیت پیدا کرنا یا ان کے نام پر نذر و نیاز ماننا وغیرہ، برکت حاصل کرنے کے لئے بزرگوں کی تصاویر کھینچوا کر رکھنا۔ اگر تبرک کا عمل ان اور ان جیسے دیگر شرعی خامیوں سے پاک ہو تو وہ شرعا جائز ہے بلکہ نیک لوگوں سے حسنِ عقیدت کے لحاظ سے یہ عمل مستحسن ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کے مبارک بالوں اور استعمال کردہ پانی سے حضرات صحابہ کرام تبرک لیتے رہے اور یہ سب کچھ خود حضور ﷺ کے سامنے ہوتا رہا، سلف صالحین کے ہاں بھی اس کا معمول تھا بلکہ بعض روایات کے مطابق خود حضور ﷺ سے بھی تبرک ثابت ہے، اس لحاظ سے اس کو سنت بھی کہا جا سکتا ہے گو سنت غیر مؤکدہ اور غیر لازمہ ہو۔

تبرک سے متعلق کچھ روایات اور محدثین کے اقوال

قرآن کریم، شعائر اسلام اور نیک اعمال کا بابرکت ہونا بھی ثابت ہے اور اس سے تبرک حاصل کرنا بھی جائز ہے، چنانچہ متعدد روایات سے یہ مضمون ثابت ہے اور

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عمل رہا ہے، چنانچہ صحیح بخاری کی روایت ہے:

"عن أبي موسى رضي الله عنه، قال: كنت عند النبي صلى الله عليه وسلم وهو نازل بالجعرانة بين مكة والمدينة، ومعه بلال فأتى النبي صلى الله عليه وسلم أعرابي فقال: ألا تنجز لي ما وعدتني؟ فقال له: «أبشر» فقال: قد أكثرت علي من أبشر، فأقبل على أبي موسى وبلال كهيئة الغضبان، فقال: «رد البشرى، فاقبلا أنتما» قالا: قبلنا، ثم دعا بقدح فيه ماء، فغسل يديه ووجهه فيه ومج فيه، ثم قال: «اشربا منه، وأفرغا على وجوهكما ونحوركما وأبشرا». فأخذا القدح ففعلا، فنادت أم سلمة من وراء الستر: أن أفضلا لأمكما، فأفضلا لها منه طائفة."[1]

ترجمہ: "حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کے پاس تھا جبکہ آپ مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام جعرانہ میں اتر چکے تھے اور حضرت بلالؓ بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھے، کہ ایک اعرابی آیا اور کہنے لگا کہ: چکانا نہیں جو تم نے وعدہ کیا تھا؟ آپ ﷺ اس سے فرمایا: مبارک ہو، اس پر اس نے کہا: تم نے مبارک ہو کی کثرت کی، آپ ﷺ ابو موسی اور بلالؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: "اس نے مبارک باد کو رد کیا، پس تم دونوں قبول کرو" انہوں نے کہا: ہم نے قبول کیا، پھر آپ ﷺ نے ایک پیالہ منگایا جس مین پانی تھا اور اس میں اپنے دونوں ہاتھ اور منہ

---

[1] صحيح البخاري، باب غزوة الطائف، ج5 ص157، رقم الحديث 4328.

دھولیااور اس میں اپنا آبِ دہن شامل کیا، پھر ارشاد فرمایا: دونوں اس میں سے پی لو اور اپنے چہروں اور سینوں پر ڈال لو اور مبارک ہو، انہوں نے پیالہ لیا اور ویسا کرنے لگے ، حضرت ام سلمہؓ نے پردے کے پیچھے سے آواز دی کہ: اپنی اماں کے لئے بھی کچھ چھوڑدو، توان کے لئے بھی تھوڑا پانی چھوڑدیا"۔

ایک اور جگہ صحیح بخاری میں ہے:

"عن عبيد الله، عن نافع، أن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما، أخبره أن الناس نزلوا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم أرض ثمود، الحجر، فاستقوا من بئرها، واعتجنوا به، فأمرهم رسول الله صلى الله عليه وسلم «أن يهريقوا ما استقوا من بئرها، وأن يعلفوا الإبل العجين، وأمرهم أن يستقوا من البئر التي كانت تردها الناقة"[1]

ترجمہ: "صحابہ کرامؓ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قومِ ثماد کی پتھریلی زمین میں اتر کر ان کے کنویں سے پانی نکالا اور اس پانی میں آٹا گھوندا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ: "جو پانی اس کنویں سے نکالا ہے اس پانی کو بہادو دو اور آٹا اونٹوں کو کھلادو، پھر فرمایا" کہ اس کنویں سے پانی لے آؤ جہاں حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی آتی تھی۔

اس روایت سے محدثین کرام نے یہ استدلال فرمایا ہے کہ نیک لوگوں کے آثار سے تبرک کرنا جائز ہے، صحیح مسلم کے قدیم اور مشہور شارح علامہ ابوالعباس قرطبیؒ رحمہ اللہ اس کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:

---

[1] صحيح البخاري، باب قول الله تعالى: {وإلى ثمود أخاهم صالحا} ج4ص 149، رقم الحديث 3379.

"وأمره لهم أن يستقوا من بئر الناقة دليل على التبرك بآثار الأنبياء والصالحين وإن تقادمت أعصارهم وخفيت آثارهم، كما أن في الأول دليلا على بغض أهل الفساد وذم ديارهم وآثارهم. هذا وإن كان التحقيق أن الجمادات غير مؤاخذات، لكن المقرون بالمحبوب محبوب، والمقرون بالمكروه المبغوض مبغوض"[1]

ترجمہ:"آپ ﷺ کا یہ حکم ارشاد فرمانا کہ اونٹنی والے کنویں سے پانی نکالے انبیاء وصالحین کے آثار سے برکت حاصل کرنے پر دلیل ہے، اگرچہ ان کے زمانے قدیم ہو چکے ہوں اور آثار مٹ چکے ہوں، جیساکہ پہلے حکم میں مفسدین کے ساتھ بغض اوران کے دیار وآثار کی مذمت کی دلیل ہے۔ اگرچہ تحقیق یہ ہے کہ جمادات قابل مؤاخذہ نہیں ، لیکن بات یہ ہے کہ محبوب کا مس کیا ہوا بھی محبوب ہوتا ہے اور مبغوض کو مس کیا ہوا بھی مبغوض ہوتا ہے"۔

یہی شارح ایک دوسری حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

"و(قول أنس: لقد سقيت رسول الله – صلى الله عليه وسلم – بقدحي هذا الشراب كلّه: العسل، والنبيذ، واللبن، والماء) فيه دليل على استعمال الحلاوة، والأطعمة اللذيذة، وتناولها. ولا يقال: إن ذلك يناقض الزهد، ويباعده، لكن إذا كان ذلك من وجهه، ومن غير سرف، ولا إكثار".

---

[1] المفهم لما أشكل من تلخیص کتاب مسلم، ج7ص 355.

"واستيهابُ عمر بن عبد العزيز القدح من سهل؛ إنما كان على جهة التَّبَرُّك بآثار النبي – صلى الله عليه وسلم –، ولم يزل ذلك دأب الصحابة والتابعين وأتباعهم، والفضلاء في كلِّ عصر. فكان أصحابه يتبرَّكون بوضوئه، وشرابه، وبعرقه، ويستشفون بِجُبَّته، ويتبركون بآثاره، ومواطنه، ويدعون، ويصلُّون عندها. وهذا كلُّه عمل بمقتضى الأمر بالتعزير، والتعظيم. ونتيجة الحُبِّ الصحيح. رزقنا الله الحظَّ الأكبر من تعظيمه، ومحبَّته، وحشرنا في زمرته".[1]

ترجمہ:" حضرت انسؓ کا یہ ارشاد (میں نے اپنے اس پیالے آپ ﷺ کو ہر قسم کا (حلال) مشروب پلایا ہے: شہد، نبیذ، دودھ اور پانی) یہ میٹھی اور ہر قسم کے لذیذ کھانوں کے استعمال کرنے کی دلیل ہے۔ یہ زہد کے منافی بھی نہیں جبکہ حلال طریقے سے ملے اور اسراف اور ہمیشہ نہ ہو۔ اور عمر بن عبدالعزیزؒ کا حضرت سہلؓ سے پیالہ کا ہبہ طلب کرنا آپ ﷺ کے آثار تبرک کے لئے سے تھا اور یہ ہمیشہ سے تابعین، تبع تابعین، صلحاء اور ہر زمانے کے اصحابِ فضیلت حضرات کا وتیرہ رہا ہے ،آپ ﷺ کے صحابہؓ آپ ﷺ کے وضو اور پینے کے پانی سے بچے ہوئے پانی ، پسینے کے ذریعے برکت حاصل کرتے تھے اور آپ ﷺ کا جبہ پہن کر شفاء کی امید رکھتے تھے اور آپ ﷺ کے آثار و مواطن سے برکت حاصل کرتے تھے اور ان کے پاس دعائیں مانگتے تھے اور نمازیں پڑھتے تھے۔ یہ سب تعظیم و تکریم کے حکم پر

---

[1] المفہم لما أشکل من تلخیص کتاب مسلم، ج5ص 276.

عمل کا تقاضا ہے اور یہ صحیح محبت کا نتیجہ ہے- اللہ تعالیٰ ہمیں بھی آپ ﷺ کی تعظیم اور محبت کا وافر حصہ عطا فرمائے اور ان کے ساتھ ہمارا حشر فرمائے"-

امام نووی، علامہ ابن الملقن، علامہ ابن حجر عسقلانی اور علامہ عینی وغیرہم (رحمہم اللہ) شارحین نے دسیوں احادیث سے تبرک کے جواز پر استدلال فرمایا ہے، چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ ایک حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"وفيه التبرك بآثار الصالحين وفضل طعامهم وشرابهم ونحوهما وفضل مؤاكلتهم ومشاربتهم ونحو ذلك وفيه ظهور آثار بركة رسول الله صلى الله عليه وسلم."[1]

ترجمہ: "مذکورہ حدیث مبارکہ آثار صالحین سے تبرک کا ثبوت ملتا ہے اور ان کے کھانے پینے کی فضیلت اور ان کے ساتھ کھانے پینے کی فضیلت بھی معلوم ہوتی ہے نیز آپ ﷺ کی برکت کے آثار کے ظاہر ہونے کا بھی اس میں ثبوت ملتا ہے"-

ایک دوسری حدیث کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں:

"وفيه التبرك بآثار الصالحين وبيان ما كانت الصحابة عليه من التبرك بآثاره صلى الله عليه وسلم وتبركهم بإدخال يده الكريمة في الآنية وتبركهم بشعره الكريم وإكرامهم إياه أن يقع شيء منه إلا في يد رجل سبق إليه."[2]

---

[1] شرح النووي علی مسلم، ج11ص55.

[2] شرح النووي علی مسلم، ج15ص82.

ترجمہ: "اس میں نیک لوگوں کے آثار سے برکت حاصل کرنے کا ثبوت ہے اور نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کے آثار سے برکت حاصل کرتے تھے اور صحابہ کرامؓ کا آپ ﷺ کا برتن میں اپنا ہاتھ مبارک داخل کرنے سے برکت حاصل کرنے کا اور آپ ﷺ کے موئے مبارک سے برکت حاصل کرنے کا اور صحابہ کرامؓ کا ان بالوں کے اکرام کا، کہ جو بھی بال گرے تو اس صحابیؓ کے ہاتھ میں گرے جس کا ہاتھ پہلے اسے لگے"۔

ایک حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

"قوله (فخط لي مسجدا) أي أعلم لي على موضع لأتخذه مسجدا أي موضعا أجعل صلاتي فيه متبركا بآثارك والله أعلم وفي هذا الحديث أنواع من العلم تقدم كثير منها ففيه التبرك بآثار الصالحين وفيه زيارة العلماء والفضلاء والكبراء أتباعهم وتبريكهم إياهم"[1]

ترجمہ: "یہ بات (مسجد کے لئے خط کھینچ دیجئے) مطلب یہ ہے کہ ایک جگہ پر علامت لگادیجئے تاکہ میں مسجد بناؤ یعنی ایسی جگہ جس میں اپنی نماز کو آپ کے آثار سے بابرکت بناؤ- واللہ اعلم- اس حدیث میں علم کے انواع ہیں، بہت سی ان میں سے گزر چکیں، اس میں صالحین کے آثار برکت حاصل کرنے کا ثبوت بھی ہے اور علماء، اصحابِ فضیلت اور بڑوں کا اپنے چھوٹوں کی زیارت کا اور ان اپنے فیوض و برکات سے نوازنے کا ثبوت ہے"۔

علامہ ابن الملقن ایک حدیث شریف سے حاصل ہونے والے مسائل کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں:

---

[1] شرح النووي على مسلم ج1 ص 244.

"ففيه التبرك بآثار الصالحين والتماس خيرهم وبركتهم.وفيه شدة تعظيم أصحابه له وإجلالهم لمكانه [وعظيم] حقه وعظم الحرص على نيل بركته".[١]

ترجمہ:"اس میں نیک لوگوں کے آثار سے برکت حاصل کرنے کا اور ان کے خیر وبرکت کی تلاش کا ثبوت ہے اور اس میں صحابہ کرامؓ کا آپ ﷺ کے مرتبے اور ان کے عظیم حق کی وجہ شدتِ تعظیم اور احترام کا اور صحابہ کرامؓ کا آپ ﷺ کی برکت حاصل کرنے کی شدید حرص کا بیان ہے"۔

حافظ ابن حجر عسقلانی صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

"قد تقدم حديث عتبان وسؤاله النبي صلى الله عليه وسلم أن يصلي في بيته ليتخذه مصلى وإجابة النبي صلى الله عليه وسلم إلى ذلك فهو حجة في التبرك بآثار الصالحين."[٢]

ترجمہ:"حضرت عتبانؓ کی حدیث اور آپ ﷺ سے ان کا درخواست کرنا گزر چکا کہ آپ ﷺ ان کے گھر میں نماز پڑھے تا کہ وہ اس کو مصلّٰی بنائے اور آپ ﷺ کا قبول کرنا یہ آثارِ صالحین سے تبرک میں حجت ہے"۔

علامہ عینی ایک حدیث کے ذیل میں ذکر کرتے ہیں:

"وَفِيه: عِيَادَة الْمَرِيض وَالْمَشْي فِيهَا والتبرك بآثار الصَّالِحين وطهارة الْمَاء الْمُسْتَعْمل وَظُهُور بركَة أثر الرَّسُول صلى الله عَلَيْهِ وَسلم."[٣]

---

[1] الإعلام بفوائد عمدة الأحكام، ج2ص435.

[2] فتح الباري لابن حجر، ج1ص569.

[3] عمدة القاري شرح صحيح البخاري، باب وقوله تعالى: {يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ، ج23ص231.

ترجمہ:"اس میں مریض کی عیادت اور اس میں پیدل چلنے کا ثبوت ہے اور آثارِ صالحین سے برکت حاصل کرنے کا اور (وضو اور غسل میں) استعمال شدہ پانی کے پاک ہونے کا اور آپ ﷺ کی برکت کا اثر ظاہر ہونے کا ثبوت بھی ہے"۔

"معجم اوسط" کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ فاضل اور افضل شخص مفضول اور اپنے سے کم تر نیک افراد کے آثار سے بھی تبرک حاصل کر سکتا ہے اور خود حضور ﷺ سے بھی ایسا کرنا ثابت ہے، چنانچہ "مجمع الزوائد" میں ہے:

"عن ابن عمر قال: قلت: يا رسول الله، الوضوء من جر جديد مخمر أحب إليك أم من المطاهر؟ فقال: " لا، بل من المطاهر، إن دين الله الحنيفية السمحة ". قال: وكان رسول الله - صلى الله عليه وسلم - يبعث إلى المطاهر، فيؤتى بالماء فيشربه، يرجو بركة أيدي المسلمين"[1]

ترجمہ:"حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ، آپ شراب (میں استعمال شدہ) کے نئے مشکیزے سے وضو کرنا پسند فرماتے ہیں یا پاک مشکیزے سے؟ ارشاد فرمایا: "نہیں، بلکہ پاک مشکیزے سے، اللہ کا دین سیدھا اور آسان ہے" فرمایا: آپ ﷺ پاک مشکیزے کے لئے بھیجا کرتے تھے، جب پانی آجاتا، تو آپ ﷺ مسلمانوں کے ہاتھوں کی برکت کی امید رکھ کر نوش فرمالیتے"۔

---

[1] مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، باب الوضوء من المطاهر، ج1ص 214رقم الحدیث 1071 .

انکار تبرک کی دو بنیادیں

جو حضرات تبرک کا انکار فرماتے ہیں، ان کا بنیادی استدلال درج ذیل دو باتوں سے ہے:

الف: سلف صالحین کے ہاں اس کا تعامل نہیں تھا، اور حضور ﷺ سے گو ثابت ہے لیکن وہ آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے اور خصوصیت بھی ایسی تھی جو آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کے ساتھ مخصوص رہی۔

ب: تبرک، شرک وبدعت وغیرہ منکرات کا ذریعہ بن سکتا ہے اور اگر اس کی اجازت دی جائے تو لوگ شرکیات وبدعات کا ارتکاب کرنے لگ جائیں گے۔

ان بنیادی دلائل کا جائزہ

پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ اول تو یہ بات اصولی لحاظ سے قابل اشکال ہے کیونکہ کسی چیز کے جائز یا ناجائز ہونے کا مدار شرعی دلائل پر ہوتا ہے، اور جن اہل علم کے نزدیک کسی چیز کا دورِ سلف میں نہ پایا جانا اس کے ناجائز ہونے کی دلیل ہوتی ہے، ان کے نزدیک بھی دور سلف میں موجود ہونے کا حاصلِ مفہوم یہی ہوتا ہے کہ اس بات کی کوئی شرعی دلیل موجود ہو اور زیر بحث مسئلہ کے متعلق متعدد روایات وارد ہوئی ہیں جن میں سے کچھ روایات کی طرف درج بالا مضمون میں اشارہ بھی کیا گیا ہے، حضور نبی اکرم ﷺ ، صحابہ کرام اور دسیوں سلف صالحین سے اس کا ثبوت موجود ہے، یہ اس کے جائز ہونے کے لئے کافی ہے۔ جہاں تک اس بات کا دعویٰ ہے کہ یہ آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے تو یہ دعویٰ بلا دلیل ہے، اس کے

خصوصیت ہونے کی کوئی واقعی اصولی بنیاد موجود نہیں ہے۔ اصولی لحاظ سے آنحضرت ﷺ کے اعمال وافعال کا ادنیٰ محمل جواز واباحت ہے۔

دوسری بات کا جواب یہ ہے کہ منکرات کا راستہ روکنے کی فکر کرنا ایک سعادت مندی کی بات ہے تاہم جن بدعات و منکرات کا خدشہ ہوتا ہے، انہی کی روک تھام کر لینی چاہئے، اس کے لئے ایک جائز اور متعدد روایات سے ثابت بات کے انکار کرنے کی آخر ضرورت کیا ہے؟ نیز اگر منکرات کا سدّ باب ہی مقصود ہے تو اس کے لئے عملی طور پر حد بندی کرنا اور مناسب حد تک روک تھام کرنا کافی کچھ معلوم ہوتا ہے، اعتقادی و نظریاتی لحاظ سے اس کو ناجائز کہنے پر اصرار کرنے کا کیا جواز ہو سکتا ہے؟

دوسرے پہلو سے یہ بھی غور کرنے کی بات ہے کہ جس طرح تبرک کو جائز قرار دینے کی صورت میں متعدد شرعی مفاسد کے پیدا ہونے کا خدشہ بتایا جاتا ہے، یوں ہی انکار کی صورت میں بھی شرعی مفاسد جنم لے سکتے ہیں، ایک ثابت شدہ چیز کو دلیل شرعی کا سہارا لئے بغیر ناجائز کہنا بھی ایک گناہ و منکر ہی ہے، پھر اس بنیاد پر ان لوگوں پر نکیر کرنا بھی شرعا ممنوع ہی ہے جو جواز کے حدود کے اندر رہ کر اس پر عمل کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ کونسی عقل مندی کی بات ہے کہ احتمالی منکرات کے احتمالی روک تھام کے لئے واقعی منکرات کو گوارا کر لیا جائے!

تبرک باعثِ نجات نہیں

مسئلہ: بزرگوں اور دینی شعائر کی طرف محض نسبت و تبرک ہی موجب نجات نہیں ہے بلکہ اصل دار مدار عمل و کردار پر ہے کہ زندگی کے تمام شعبوں میں دینی

احکام وہدایات کو بروئے کار لایا جائے، لہٰذا محض تبرک وانتساب پر اکتفاء کرنا کسی طرح قرین عقل ودانش نہیں ہے۔"صحیح مسلم" کے ایک طویل حدیث کے ضمن میں ہے:

"من بطأ به عمله، لم يسرع به نسبه"[1]

ترجمہ:"جس کو اس کے عمل نے پیچھے رکھا اس کو اس کا نسب آگے نہیں کر سکتا"۔

تبرک کے جائز ہونے کی ضروری شرط

مسئلہ: تبرک سے کہیں زیادہ اہم چیز دینی احکام کی پابندی اور شریعت کی پوری اتباع ہے، لہٰذا تبرک کے جذبے سے کسی ضروری شرعی حکم کی خلاف ورزی کرنا یا گناہ کا ارتکاب کرنا کسی طرح روا نہیں ہے، لہٰذا یہ جو بعض لوگوں کی عادت ہے کہ تبرک کی چیز مالک کی دلی رضامندی کے بغیر اٹھا لیتے ہیں یا اس سے اجازت لئے بغیر اپنے استعمال میں لاتے ہیں، یہ کسی طرح جائز نہیں ہے۔ یوں ہی کئی لوگ تبرک کی خاطر شرعی گناہ تک کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں، مثال کے طور کسی بزرگ کی تصویر مکان یا دکان میں آویزاں کرنا، ایسا کرنا نہ صرف ناجائز وممنوع بلکہ بے برکتی کا بھی باعث ہے جس کی وجہ سے یہ عمل مفید مطلب بھی نہیں رہتا۔ گناہ کے کام میں کہاں سے برکت آئے۔

مسئلہ: نیک اعمال واشخاص کے ساتھ وابستہ اشیاء سے تبرک حاصل کرنا اگرچہ جائز اور ثابت ہے جیسا کہ درج بالا تفصیل سے واضح ہوا، لیکن اس میں غلو سے کام لینا

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار، باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن وعلی الذکر، ج4 ص2074، رقم الحدیث 2699.

درست نہیں ہے،اعتدال پر رہنا ضروری ہے۔ لہٰذا اعتقادی طور پر اس کو واجب وضروری سمجھنا یا عملی طور پر جو لوگ اس کا اہتمام نہ کرتے ہوں،ان پر نکیر و تشنیع کرنا جائز نہیں ہے،یوں ہی خود بھی تبرک کے حصول میں حد سے زیادہ انہماک رکھنا بھی مناسب نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

مصادر و مراجع

- اَلْاَشْبَاهُ وَالنَّظَائِرُ عَلَی مَذْهَبِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ النُّعْمَانِ، زين الدين بن إبراهيم، المعروف بابن نجيم المصري (المتوفى:970هـ)
- الإعلام بفوائد عمدة الأحكام، ابن الملقن سراج الدين أبو حفص عمر بن علي الشافعي المصري (المتوفى:804هـ)
- الإعلام بقواطع الإسلام، أحمد بن محمد بن علي بن حجر الهيتمي السعدي الأنصاري، (المتوفى:974هـ)
- آكام المرجان في أحكام الجان، محمد بن عبد الله الشبلي الدمشقيّ الحنفي (المتوفى: 769هـ)
- إكمال المعلم بفوائد مسلم، عياض بن موسى بن عياض بن عمرون اليحصبي السبتي، أبو الفضل (المتوفى:544هـ)
- أنوار التنزيل وأسرار التأويل، ناصر الدين أبو سعيد عبد الله بن عمر الشيرازي البيضاوي (المتوفى:685هـ)
- البحر الرائق، زين الدين بن إبراهيم بن محمد، المعروف بابن نجيم المصري (المتوفى:970هـ)
- بذل المجهود في حل سنن أبي داود الشيخ خليل أحمد السهارنفوري (المتوفى: 1346هـ)،
- تاج العروس، محمّد بن محمّد بن عبد الرزّاق الحسيني، الملقّب بمرتضى، الزَّبيدي (المتوفى:1205هـ)
- تأويلات أهل السنة، محمد بن محمد بن محمود، أبو منصور الماتريدي (المتوفى: 333هـ)

- التجريد، أحمد بن محمد بن أحمد بن جعفر بن حمدان أبو الحسين القدوري (المتوفى:428هـ)
- ترتيب العلوم للمرعشي، محمد بن أبي بكر المرعشي الشهير بساجقلي زاده (المتوفى: 1145هـ)
- التعليق الممجد على موطأ محمد، محمد عبد الحي بن محمد عبد الحليم الأنصاري اللكنوي الهندي، (المتوفى:1304هـ)
- التوقيف على مهمات التعاريف، زين الدين محمد المدعو بعبد الرؤوف بن تاج العارفين المناوي القاهري (المتوفى: 1031هـ)
- حاشية الصاوي على الشرح الصغير، أبو العباس أحمد بن محمد الخلوتي، الشهير بالصاوي المالكي (المتوفى: 1241هـ)
- حجة الله البالغة ، أحمد بن عبد الرحيم المعروف بـ «الشاه ولي الله الدهلوي» (المتوفى:1176هـ)
- الدر المختار وحاشية ابن عابدين، ابن عابدين، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدين الدمشقي الحنفي (المتوفى: 1252هـ)
- دستور العلماء، القاضي عبد النبي بن عبد الرسول الأحمد نكري (المتوفى: ق 12هـ)
- السراج المنير شرح الجامع الصغير في حديث البشير النذير، الشيخ علي بن الشيخ أحمد بن الشيخ نور الدين الشهير بالعزيزي
- سلّ الحسام الهندي في نصرة سيدنا خالد النقشبندي، مجموعة رسائل ابن عابدين ، المؤلف: ابن عابدين، محمد أمين بن عمر عابدين الدمشقي الحنفي (المتوفى:1252هـ)

- سنن ابن ماجه ت الأرنؤوط، - أبو عبد الله محمد بن يزيد القزويني.(المتوفى: 273ھ)
- سنن أبي داود ت الأرنؤوط، أبو داود سليمان بن الأشعث الأزدي السِّجِستاني (المتوفى:275ھ)
- السنن الكبرى للبيهقي، أبو بكر أحمد بن الحُسَين بن عليّ البيهقي (384 - 458ھ)
- السنن الكبرى للنسائي ، أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني، النسائي(المتوفى: 303ھ)
- شرح العقائد ،سعد الدين مسعود بن عمر بن عبد الله التفتازاني،ناشر مكتبة البشری کراتشی پاکستان
- شرح المقاصد في علم الكلام،سعد الدين مسعود بن عمر بن عبد الله التفتازاني
- شرح معاني الآثار ، أبو جعفر أحمد بن محمد الأزدي الحجري المصري المعروف بالطحاوي(المتوفى: 321ھ)،
- الصارم البتار،جناب "وحید بن عبد السلام بالی" صاحب
- صحيح مسلم، مسلم بن الحجاج أبو الحسن القشيري النيسابوري(المتوفى: 261ھ)
- الطب النبوی، شمس الدین ابن قیم الجوزیۃ،دار الھلال- بیروت
- عمدة القاري، أبو محمد محمود بن أحمد الغيتابى الحنفى بدر الدين العينى (المتوفى: 855ھ)
- علمی و فقہی مضامین، مفتی عبید الرحمن صاحب،(زیر طبع)
- الفتاوى الحديثية ، أحمد بن محمد بن علي بن حجر الهيتمي السعدي الأنصاري، (المتوفى:974ھ)

- فتاوی اللجنة الدائمة، اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء، جمع وترتیب: أحمد بن عبد الرزاق الدویش
- الفتاوی الهندیة، لجنة علماء برئاسة نظام الدین البلخي، ناشر المکتبہ الحقانیہ بوغرہ روڈ چمن
- فتاوی قاضیخان، ابوالمحاسن الحسن بن منصور المعروف بقاضی خان الاوزجندی المتوفی ۵۹۲ھ
- فتاویٰ محمودیہ، مفتی محمود حسن گنگوہی صاحب۔ادارۃ الفاروق، کراچی
- فتح الباري، أحمد بن علي بن حجر أبوالفضل العسقلاني الشافعي رحمہ اللہ
- فتح القدیر، کمال الدین محمد بن عبد الواحد السیواسي المعروف بابن الهمام (المتوفی: 861ھ)
- الفواکہ الدواني علی رسالة ابن أبي زید القیرواني، أحمد بن غانم (أو غنیم) بن سالم الأزهري المالکي (المتوفی: 1126ھ)
- فیروز اللغات، مرتب الحاج مولوی فیروز الدین رحمہ اللہ
- القاموس الفقهي، الدکتور سعدي أبو حبیب
- القاموس المحیط، مجد الدین أبو طاهر محمد بن یعقوب الفیروز آبادی (المتوفی: 817ھ)
- القاموس الوحید، مولانا وحید الزمان قاسمی کیرانوی رحمہ اللہ
- القول في علم النجوم، أبو بکر أحمد بن علي بن ثابت الخطیب البغدادي (المتوفی: 463ھ)
- الکافي في فقه الإمام أحمد، أبو محمد موفق الدین عبد اللہ بن أحمد الحنبلي، الشهیر بابن قدامة المقدسي (المتوفی: 620ھ)

- كتاب التعريفات، علي بن محمد بن علي الزين الشريف الجرجاني (المتوفى: 816هـ)
- كشاف اصطلاحات الفنون والعلوم، قاضی محمد اعلی تھانوی رحمہ اللہ
- كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون، مصطفى بن عبد الله كاتب المشهور باسم حاجي خليفة أو الحاج خليفة (المتوفى: 1067هـ)
- الكليات معجم في المصطلحات والفروق اللغوية، أيوب بن موسى الحسيني، أبو البقاء الحنفي (المتوفى: 1094هـ)
- کتاب الروح، ابو عبد الله محمد بن ابو بکر الزرعی الدمشقی المتوفی ۷۵۱ھ
- کمال الایمان فی التداوی بالقرآن، للشیخ ابی الفضل عبد اللہ الغماری
- مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، أبو الحسن نور الدين علي الهيثمي (المتوفى: 807هـ)
- مجمع بحار الأنوار، جمال الدين، محمد طاهر بن علي الصديقي الهندي الفَتَّنِي الكجراتي (المتوفى: 986هـ)
- المجموع المغيث في غريبي القرآن والحديث، محمد بن عمر بن أحمد الأصبهاني المديني، أبو موسى (المتوفى: 581هـ)
- المحيط في اللغة، إسماعيل بن عباد بن العباس، المشهور بالصاحب بن عباد (المتوفى: 385هـ)
- مختارات النوازل، ابو الحسن علی بن ابو بکر المرغینانی صاحب الهدایۃ المتوفی ۵۹۳ھ، المکتبۃ الحقانیۃ پشاور پاکستان
- مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين القاري (المتوفى: 1014هـ)
- معين الحكام فيما يتردد بين الخصمين من الأحكام، أبو الحسن، علاء الدين، علي بن خليل الطرابلسي الحنفي (المتوفى: 844هـ)

- المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم، أبو العباس أحمد بن عمر بن إبراهيم القرطبي (578 - 656ھ)
- المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج، أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (المتوفى: 676ھ)
- الموسوعة الفقهية الكويتية، صادر عن: وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية - الكويت
- موطأ مالك ، مالك بن أنس بن مالك بن عامر الأصبحي المدني (المتوفى: 179ھ)
- النبراس شرح العقائد النسفية،، العلامہ محمد عبد العزيز الفرہاری رحمہ اللہ ،ناشر مکتبہ البشری